اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہ دعوۃ الحق

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر۔ دارالعلوم - ۴ فون نمبر۔ رہائشی - ۲

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر : ۸ جولائی - ۱۹۷۳ء

شمارہ نمبر : ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۹۳ھ

مدیر

سمیع الحق

اس شمارے میں

مغربی ومشرقی پاکستان سے سالانہ دس روپے	فی پرچہ ایک روپیہ	غیر ممالک بحری ڈاک ایک پونڈ، ہوائی ڈاک دو پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

نقش آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کی قراردادیں

فری میسن ، روٹری کلب اور لائنز کلب ، مشنری اداروں کی تحریک ارتداد ، فحش اور لادینی لٹریچر کا فروغ و اشاعت ، خاندانی منصوبہ بندی ، شراب ، گھوڑ دوڑ قمار بازی ، فحش ثقافتی سرگرمیوں پر پابندی ، سودی نظام کا خاتمہ ، قادیانیت کو اقلیت قرار دینے کے مطالبات

قومی اسمبلی کے ارکان کا فرض ہوتا ہے۔ کہ مختلف شکلوں میں حکومت وقت کا احتساب کریں۔ منکرات اور برائیوں کے انسداد، معروفات کا فروغ، اسلام کی ترویج اور عدل و انصاف پر مبنی معاشرہ کے قیام کے لئے ہر قسم کی جدوجہد بروئے کار لائیں۔ پارلیمانی نظام میں یہ کام زیر بحث بلوں پر تقریروں اور ترمیموں کے علاوہ ملکی و ملی امور سے متعلق سوالات، غیر سرکاری قراردادوں، پرائیویٹ بلوں، بجٹ پر عام بحث اور تحریک تخفیف زر کی شکل میں کیا جاتا ہے۔ اسمبلی کی غیر سرکاری کاروائی کے ایام میں ارکان کی وہ قراردادیں زیر بحث لائی جاتی ہیں، جن کے پیش کرنے والوں کا مقصد کسی اہم ترین مسئلہ پر اسمبلی سے حکومت کو سفارش کرانا ہوتی ہے۔ اس طرح کسی زیر بحث قرارداد پر ایوان کی مختلف پارٹیوں اور حزب اختلاف و اقتدار کا نقطۂ نظر بھی ملک و ملت کے سامنے آجاتا ہے۔ اور یہ بھی کہ کسی حد تک کسی مسئلہ کے بارے میں پارلیمانی پارٹیوں اور ارکان کا قول و عمل یکساں ہے۔ اس طرح اگر کچھ ارکان کے ملی اور دینی جذبات کا مظاہرہ ہو جاتا ہے، تو بسا اوقات بہت سے لوگوں کی منافقانہ روش کی قلعی بھی قوم و ملت کے سامنے کھل جاتی ہے۔ گو کسی قرارداد کی حیثیت قانون کا درجہ نہیں رکھتی۔ لیکن کسی منظور شدہ قرارداد کے بعد حکومت کو عوامی احساسات اور جذبات کو دیکھتے ہوئے مجبوراً قرارداد کے مطابق قانون سازی

کرنا پڑتی ہے۔

ان اہم ترین مقاصد کے پیش نظر شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے قومی اسمبلی کے حالیہ طویل اجلاس بجٹ سیشن کے لئے کئی اہم ترین ملکی و ملی مسائل سے متعلق حسب ذیل قراردادوں کا نوٹس دیا۔ ان میں سے چار آخری قراردادیں سپیکر صاحب نے اسمبلی کے قواعد و طریق کار کی بعض دفعات کا سہارا لے کر چیمبر ہی سے مسترد کر دیں تاکہ انہیں اسمبلی میں زیر بحث نہ لایا جا سکے۔ اب یہ فیصلہ پارلیمانی قواعد و ضوابط اور ماہرین قانون کو کرنا ہے کہ ایسی اہم قراردادوں کو سپیکر صاحب کا اس طرح مسترد کر دینا واقعی قواعد کا تقاضا تھا۔ یا حکومت ان قراردادوں کو پیش کرنے کے بعد انہیں اکثریت کے بل بوتے پر رد کر دینے کی بدنامی سے گریز کرنا چاہتی تھی۔۔۔۔ بہرحال اسمبلی کے طریق کار قرعہ اندازی وغیرہ کی ترتیب سے پہلی چار قراردادیں اسمبلی میں زیر بحث آ سکیں۔ بعض ایجنڈے پر آ چکی تھیں۔ مگر ان کے زیر بحث آنے کا موقع نہ ملا۔ اور اسے حسن اتفاق کہئے یا قدرت کی خاص دستگیری اور توفیق ایزدی، کہ اس پورے سیشن میں جتنی غیر سرکاری قراردادیں زیر بحث آئیں۔ بنگلہ دیش سے متعلق قرارداد (جسے حکومت نے پیش کیا) کو چھوڑ کر باقی سب کی سب حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کی تھیں۔ اس طرح اس سیشن میں بھی خداوند کریم نے انہیں بعض اہم مسائل پر اسمبلی، حکومت اور عام مسلمانوں کی توجہات مبذول کرانے کی توفیق دی۔ آپ نے جن قراردادوں کا نوٹس دیا تھا، وہ درج ذیل تھیں:-

۱- اس اسمبلی کی رائے یہ ہے کہ قادیانی تحریک اور اس سے ملحقہ اداروں کی تمام سرگرمیوں پر پابندی عائد کی جائے۔

۲- قومی اسمبلی کی رائے ہے۔ کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں جن شہری اور مذہبی آزادیوں کی اجازت دی گئی ہے۔ ان کا لحاظ رکھتے ہوئے غیر مسلم اقلیتی فرقوں خصوصاً عیسائی مشنری اداروں کی طرف سے چلائی جانے والی تحریک ارتداد پر پابندی عائد کی جائے۔ نیز یہ کہ ایسی تمام سرگرمیوں کی ممانعت کی جائے، جن سے کسی مسلمان شہری کے مرتد ہونے کا احتمال ہو۔

۳- اس اسمبلی کی رائے ہے۔ کہ پاکستان بھر میں سودی اقتصادی اور معاشی کاروباری نظام از قسم بینکنگ وغیرہ ختم کر کے اسے اسلامی دائرہ میں ڈھال دیا جائے۔

۴- اس اسمبلی کی رائے ہے کہ ملک بھر میں قادیانی تحریک سے ملتی جلتی سرگرمیوں میں ملوث ادارے، روٹری کلب اور لائنز کلب پر پابندی لگائی جائے۔

۵- اس اسمبلی کی رائے ہے، کہ پاکستان بھر میں ایسے لٹریچر کا فروغ و اشاعت اور ملک میں داخلہ

ممنوع قرار دیا جائے۔ جس سے مسلمانوں کے اخلاق وعقائد اور نظریہ پاکستان متاثر ہو سکتے ہیں۔ نیز عریاں اور فحش لٹریچر کی بھی ممانعت کی جائے۔

۶۔ اس اسمبلی کی رائے ہے کہ ملک بھر میں ثقافت اور کلچر کے نام سے ہونے والی تمام ایسی سرگرمیوں (ڈانس، ناچ، گانا وغیرہ) پر پابندی لگائی جائے۔ جس سے معاشرہ میں اخلاقی برائیاں، فحاشی اور بے حیائی پھیل رہی ہو۔ نیز رقص وسرود کرنے والی ثقافتی طائفوں کا بیرونی ممالک سے تبادلہ بند کر دیا جائے۔

۷۔ اس اسمبلی کی رائے ہے۔ کہ شعبہ خاندانی منصوبہ بندی فی الفور بند کر دیا جائے۔ کیونکہ اس شعبہ کی کارکردگی قرآن پاک، سنت اور اسلام کے منافی ہے۔ اس شعبہ کے ملازمین کسی دوسرے محکمہ میں مدغم کئے جائیں۔

۸۔ اس اسمبلی کی رائے ہے کہ پاکستان بھر میں شراب کے پینے، بنانے، خرید و فروخت اور درآمد و برآمد پر مکمل پابندی عائد کی جائے۔

۹۔ قومی اسمبلی کی رائے ہے کہ ملک بھر میں گھوڑ دوڑ (ریس کورس) کے نام پر ہونیوالا جوا اور دیگر ہر قسم کی قمار بازی پر پابندی لگائی جائے۔

۱۰۔ اس قرارداد کا تعلق قادیانیت کو اقلیت قرار دینے ان کے ارتداد کی سرگرمیوں پر پابندی لگانے اور قرارداد آزاد کشمیر کی تحسین وتائید سے تھا۔ جس کا متن پچھلے شمارہ میں شائع ہو چکا ہے۔ اول الذکر چار قراردادیں التوا میں پیش ہوئیں۔ جبکہ پانچویں اور چھٹی ایجنڈا پر ہے۔ اور آخری چار قراردادیں بشمول قادیانیت مسترد کر دی گئیں۔

قرارداد ۱۱ فری میسن تحریک یہ بات کوئی ڈھکی چھپی حقیقت نہیں رہی۔ کہ اسلام دشمن طاقتوں نے سماجی، علمی اور معاشرتی فلاح وبہبود کے نام سے درپردہ جو مختلف منصوبے بنائے اور ادارے قائم کئے ہیں۔ ان میں سرفہرست فری میسن کے نام سے یہودیوں کی عالمی تنظیم ہے۔ جس کا مقصد درپردہ صیہونی عزائم کی تکمیل ہے۔ یہ تنظیم عالم اسلام میں ملت مسلمہ کے خلاف مختلف سازشوں اور سرگرمیوں کی آماجگاہ بنی رہی ہے۔ خلافت اسلامیہ کے زوال، اسلامی ممالک کے افتراق وبربادی میں اس کا بنیادی حصہ ہے۔ ان سب باتوں کی اہم دستاویزات سامنے آچکی ہیں۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نے سب سے پہلے اس مسئلہ کو ۱۱ ستمبر ۱۹۷۲ء کو اسمبلی کے وقفہ سوالات کے دوران اٹھایا تھا۔ جس پر ایوان میں بہت سے ضمنی سوالات سامنے آئے۔ بڑی لے دے ہوئی جس کے جواب میں مرکزی وزیر داخلہ خان عبدالقیوم خان نے یہ یقین دہانی کرائی کہ حکومت

اس تنظیم کا جائزہ لے رہی ہے اور اگر اس کی سرگرمیاں ملکی مفادات کے خلاف پائی گئیں۔ تو مناسب اقدامات کئے جائیں گے۔ انہوں نے یہ تسلیم کیا کہ ملک میں فری میسن کے ۳۰ لاج ہیں۔ مگر اس بات سے لاعلمی ظاہر کی کہ یہ تحریک اسلام کے خلاف ایک یہودی تحریک ہے۔ اس کے بعد اخبارات میں اس تنظیم سے متعلق اسمبلی کے ان سوالات وجوابات کا غلغلہ اٹھا۔ مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ حکومت نے کوئی قدم اٹھایا یا نہیں۔

اس وجہ سے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ نے حالیہ اجلاس میں ۷ رجون کے غیر سرکاری کام کے دن فری میسن تنظیم پر پابندی سے متعلق اپنی قرارداد پیش کی۔ آپ ابھی اپنی قرارداد پر وضاحتی تقریر کر رہے تھے کہ مرکزی وزیر داخلہ نے اٹھ کر اعلان کیا۔ کہ حکومت نے پچھلے سال چھ دسمبر کو اس تحریک پر پابندی لگانے اور تمام عمارتوں کو تعلیمی مقاصد کیلئے قبضہ میں لینے کے احکامات جاری کر دئیے ہیں۔ اس اعلان پر بڑی خوشی اور مسرت کا مظاہرہ ہوا۔ اور حضرت شیخ الحدیث نے وزیر داخلہ کی یقین دہانی اور غیر مبہم اعلان پر قرارداد واپس لے لی۔

ابھی اس پابندی پر پورے ملک اور پریس میں مسرتوں کا اظہار ہو رہا تھا۔ کہ کچھ سابقہ فری میسنوں کی طرف سے آتے ہوئے خطوط اور اخبارات کی خبروں سے یہ اندیشہ بڑھتا ہی چلا گیا۔ کہ مرکزی وزیر داخلہ نے شاید تحریک پر پابندی کے سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ فری میسن کی خفیہ سرگرمیاں اور میٹنگیں بدستور جاری ہیں۔ عمارتیں ان کے قبضہ میں ہیں۔ اس تحریک کے صدر دفتر کا ایسی کسی پابندی سے لاعلمی ظاہر کر دینے کا ذکر بھی اخبارات میں آیا۔ اور خفیہ میٹنگوں کے دعوت ناموں کا فوٹو سٹیٹ عکس بھی اخبارات میں آیا۔ قرارداد کے محرک شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ نے ذاتی طور پر یہ مسئلہ مرکزی وزیر داخلہ کے سامنے رکھا۔ مگر انہوں نے کہا۔ کہ شاید احکامات ابھی صوبائی حکومتوں کو نہیں پہنچ سکے۔

روزنامہ نوائے وقت نے ۱۸ رجون کو اپنے اداریہ میں اس اعلان کو ایسی پارلیمانی غلط بیانی قرار دیا۔ جس سے بہت کم غلطی ثابت ہونے پر برطانیہ کے وزیر خوراک لارڈ نارتھ بروک نے محض اعداد وشمار کی غلطی پر اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ نوائے وقت نے لکھا کہ وزیر داخلہ کے غیر مبہم وضاحت کے بغیر اس بات سے پارلیمانی غلط بیانی کی ایک نئی روایت قائم ہو گئی۔

بہر حال شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ نے اصل صورتحال معلوم کرنے کیلئے ۴ر جولائی کو دوبارہ یہ مسئلہ تحریک استحقاق کی شکل میں اٹھایا۔ اور اس بات کو پورے ایوان کا استحقاق مجروح کرنے کے مترادف قرار دیا۔ کہ اخبارات میں حکومت کے اعلان کے برعکس حقائق سامنے آ رہے ہیں۔ اس کے جواب میں مرکزی وزیر داخلہ نے بڑی شدت سے یہ وضاحت کی کہ ۲۶ ستمبر کو کابینہ میں فری میسن پر پابندی کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ قانونی مشکلات

پر قابو پانے کے سلسلہ میں شائد بعض صوبوں میں اب تک اسکی تعمیل نہ ہوسکی۔ اور اب مکمل کارروائی کی جارہی ہے۔ اس طرح یہ مسئلہ حکومت کی واضح یقین دہانی پر ایک حد تک ختم ہوا۔ مگر یہ سوالات اپنی جگہ قائم رہیں گے۔ کہ آٹھ ماہ قبل دیئے گئے مرکزی حکومت کے احکام کی تعمیل اب تک کیوں نہ ہوسکی۔ اور بعض صوبائی حکومتوں نے اس پر عمل درآمد کیوں نہ کیا۔ اسی طرح یہ سوالات بھی بدستور قائم ہیں۔ جسے بعد میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی طرف سے وقفہ سوالات میں اٹھانے کی کوشش بھی کی گئی۔ کہ کیا حکومت اب اس تنظیم کے ارکان پر کڑی نگاہ رکھے گی۔ جن میں سے بیشتر کچھ بدقسمتی سے اہم ترین ملکی شعبوں اور کلیدی مناصب تک پر فائز رہے۔

قرارداد نمبر ۲۔ عیسائی مشنری سرگرمیوں اور ارتداد پر پابندی

اس کے بعد دوسری قرارداد کا تعلق غیر مسلم اقلیتی فرقوں خصوصاً عیسائیوں کی مشنری سرگرمیوں کی طرف سے چلائی جانے والی تحریک ارتداد پر پابندی لگانے اور ایسی تمام سرگرمیوں کی ممانعت سے تھا۔ جن سے کسی مسلمان شہری کے مرتد ہونے کا احتمال ہو۔ اس طرح کی سرگرمیاں ملک و ملت کی سالمیت مسلمانوں کے ایمان اور مذہب کے لئے مستقل خطرہ بنی ہوئی ہیں۔ قادیانی اور عیسائی سرگرمیوں کے نتیجہ میں کتنے مسلمان کفر کی گود میں چلے جارہے ہیں۔ اس کا اندازہ ان کی رپورٹوں اور خبروں سے لگایا جاسکتا ہے۔ ملک بھر میں ان سرگرمیوں کا ایک جال پھیلا ہوا ہے۔ جو دن بدن حکومت اور مسلمانوں کی دینی اسلامی حیثیت اور ملی غیرت کے لئے ایک چیلنج بنتے جارہے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ قرارداد بڑی اہمیت کی حامل تھی۔ اس سے قبل ستمبر ۱۹۷۲ء کے اجلاس میں بھی شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نے ایسی مشنری سرگرمیوں کے متعلق بعض اہم سوالات کا نوٹس دیا تھا۔ جسے سپیکر نے چیمبر ہی سے مسترد کر دیا۔ اور جسکی تفصیل الحق میں آچکی ہے۔

۷ رجون کو شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نے اسمبلی میں محرک کے طور پر اپنی قرارداد کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ ——— "عیسائی اس ملک میں عیسائیت کا پرچار اور دوسری عیسائی حکومتوں کا آلہ کار بننے کی شکل میں بہت کچھ کر رہے ہیں۔ یہ ادارے یہاں کے باشندوں کی غربت اور مالی حالت کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر انہیں عیسائی بنارہے ہیں۔ مشن سکولوں، کالجوں، ہسپتالوں کے ذریعہ یہاں عیسائی اڈے قائم ہیں۔

پاکستان میں ان کے کام کی جو رفتار ہے، اس کے بارے میں عالمی مشنری ادارے برملا اس فخر کا اظہار کرتے ہیں کہ پاکستان ہمارے لئے نہایت کارآمد میدان ثابت ہو رہا ہے۔ آپ نے آج سے دس سال قبل کے اعداد و شمار پیش کرتے ہوئے کہا کہ ۱۹۵۱ء میں مغربی پاکستان کی کل آبادی

تین کروڑ دس لاکھ سات سو ستاسی تھی۔ اور ۱۹۶۱ء میں یہ آبادی تین کروڑ چورانوے لاکھ چھیالیس ہزار چار سو انتالیس ہوگئی۔ اس کے مقابل ۱۹۵۱ء میں مغربی پاکستان میں مسیحی آبادی چار لاکھ تنتیس ہزار سات سو چھ تھی۔ جو ۱۹۶۱ء میں پانچ لاکھ تراسی ہزار آٹھ سو چراسی ہوگئی۔ یعنی مجموعی آبادی ۲۷ فی صد بڑھ گئی مگر مسیحی آبادی میں ۳۵ فی صد کا اضافہ ہوا۔ ان اعداد و شمار سے یہاں ارتداد پھیلنے کی تیز رفتاری کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آپ نے کہا کہ سرحدی علاقے جو دشمن سے ملے ہوئے ہیں۔ ان سرگرمیوں کا خاص نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ جس سے لازماً سرحدات غیر محفوظ ہو کر دشمن کی سازشوں کی لپیٹ میں آسکتے ہیں۔ اس لئے ان اداروں پر پابندی لگانا ملک کی سالمیت کا بھی تقاضا ہے۔ جبکہ ہندوستان پہلے سے اپنے ہاں اس کی ممانعت کر چکا ہے۔ اس لئے پاکستان میں مسیحی سرگرمیوں اور اس کے ساتھ ساتھ تمام غیر مسلم اقلیتوں کے ارتداد پھیلانے کی سرگرمیوں کی سختی سے ممانعت کی جائے۔

اس کے بعد قرارداد پر عام بحث شروع ہوگئی۔ میاں محمود علی قصوری نے کہا کہ مسئلہ آبادی کے تناسب کا ہے۔ گورنمنٹ ۱۹۷۳ء تک کے اعداد و شمار پیش کر سکے۔ تو بحث میں مدد ملے گی۔ وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ صاحب نے جواب میں کہا کہ اس وقت عیسائی آبادی ۱۵ لاکھ کے قریب ہے۔ مگر اس سوال کا تعلق ریزولیشن سے کیا ہے وہ تو مشنری پر بحث ہے۔ تو قصوری صاحب نے کہا کہ مولانا عبدالحق نے ۱۹۶۱ء تک کے اعداد و شمار پیش کئے ہیں۔ ہمیں موجودہ تناسب معلوم کرنا ہے۔ وزیر داخلہ صاحب نے کہا کہ بحث جاری رہی تو موجودہ اعداد و شمار مہیا کر دئیے جائیں گے۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے کہا کہ مولانا عبدالحق صاحب نے صرف عیسائی مشنری پر پابندی کا نہیں ارتداد پر پابندی لگانے کا ذکر کیا ہے۔ اس لئے اس بحث میں یہ نقطۂ نظر بھی سامنے رکھا جائے۔

اس مرحلہ پر مولانا غلام غوث ہزاروی نے اپنی صوابدید کی بناء پر قرارداد کی عبارت سے متعلق ایک بحث چھیڑ دی۔ غیر مسلم اقلیتوں کو اپنے مذہب اور احکام پر عمل کرنے کی آزادی کی جو ضمانت دستور اسلام میں دی گئی ہے کہ وہ ایک خاص دائرہ میں رہتے ہوئے اپنے دین اور مذہب پر عمل پیرا ہو سکیں گے اس قرارداد میں ان شہری اور مذہبی آزادیوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے مشنریوں کی تحریک ارتداد پر پابندی کا مطالبہ تھا۔ مولانا غلام غوث ہزاروی کا خیال تھا کہ اس طرح قرارداد کی عبارت کا اگلا اور پچھلا حصہ متضاد ہو گیا ہے۔ مذہبی آزادی سے تو مرتد ہونے کی اجازت ہو جاتی ہے۔ (حالانکہ یہ غیر مسلموں کی مذہبی آزادی کا ذکر تھا۔ جو ایک کفر چھوڑ کر دوسرا کفر اختیار کر لینے سے مرتد نہیں کہلا سکتے۔) اس لئے قرارداد کا پہلا حصہ نکال دیا جائے۔ آپ نے دوسری ترمیم یہ پیش کی کہ گو قرارداد کی عبارت مرزائیت پر پابندی کو بھی شامل ہو سکتی ہے۔ مگر مرزائیت

بھی واضح طور پر قرارداد میں شامل کی جائے (مگر مولانا مدظلہٗ کو شاید اس تلخ حقیقت کا احساس نہ رہا کہ اس طرح کی صراحت کے بعد قرارداد ایوان کے سامنے لانے سے قبل ہی مسترد ہو چکی ہوتی) سپیکر نے ترمیم کے بارہ میں کہا کہ یہ تو طریقے سے آسکتی ہے، زبانی نہیں پیش ہو سکتی اور مرزائیت کی ترمیم سے آئینی تحفظات کی نفی ہو جائے گی۔

وفاقی وزیر قانون جناب عبدالحفیظ پیرزادہ نے قرارداد کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ مولانا عبدالحق کا یہ ریزولیشن پاکستان کے آئینی تحفظات کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ ہم عبوری آئین کے دور سے گذر رہے ہیں جو ۱۴ اگست ۱۹۷۳ء تک کسی بھی صورت میں ختم ہونا ہے۔ سینیٹ بننے کے بعد دو مقننہ پارلیمنٹ ہوں گی۔ گو میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ یہ قرارداد قطعی طور پر آئین کے خلاف ہے یا نہیں، مگر میری رائے میں اس سے بنیادی حقوق کے تحفظ کی کسی حد تک خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ ہم اس وقت عبوری دور سے مستقل دور میں جا رہے ہیں۔ کمیٹی میں بھی اس پر بحث کر سکتے ہیں۔ اگر مولانا کو اس پر اصرار ہے تو میں کہوں گا کہ عبوری آئین کے تحت ایوان اس قرارداد پر رائے دینے کا مجاز نہیں اس لئے کہ اقلیت کو بھی اکثریت کی طرح تحفظ دیا گیا ہے۔ اس لئے میں مولانا سے اس وقت اس قرارداد کے واپس لینے کی گذارش کروں گا۔

مولانا عبدالحکیم صاحب نے قرارداد کے حق میں کہا کہ اسلام غیر مسلموں کو شہریت کے وہی حقوق دیتا ہے جو مسلمانوں کو دیتا ہے۔ قرارداد کا مقصد تو یہ ہے کہ یہ غیر ملکی لوگ ایک تنظیم بنا کر بیرونی امداد سے ایسے حربے اور طور طریقے اختیار کرتے ہیں کہ درپردہ پاکستان کی سلامتی کے خلاف کام ہوتا ہے۔ دشمن کی جاسوسی ہوتی ہے تو ایسی سرگرمیوں پر پابندی مقصود ہے۔ اس ملک میں بہائی، قادیانی، ہندو، مسلم سکھ سب کو رہنے کا حق ہے۔ تعلیم ملازمت تجارت میں آبادی کے تناسب سے حقوق بھی ہیں۔ انہوں نے وزیر قانون کی اس رائے کی تائید کی کہ مستقل آئین کے نفاذ کے بعد دونوں ایوان جمع ہوں تو باہمی افہام و تفہیم سے بات ہو سکتی ہے۔ سپیکر نے کہا کہ اس پر بحث سے نقصان ہوگا۔ مگر جواب میں کہا گیا کہ کیا روس اور چین وغیرہ میں ملک کے نظریات کے خلاف سرگرمیوں پر پابندی نہیں لگائی گئی۔ آئین نے اقلیتوں کو اپنی عبادت گاہوں میں عبادت کی اجازت دی۔ یہ تو باہر جا کر لوگوں کو ورغلاتے ہیں۔ اس لئے غیر ملکی مشنریوں پر مسلمانوں میں تبلیغ کرنے کی پابندی ہو۔

سرکاری پارٹی کے غلام نبی چوہدری نے قرارداد کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ مولانا کی اس قرارداد سے بین الاقوامی طور پر ہماری ساکھ کو نقصان پہنچے گا۔ کہ اکثریت اقلیت سے خائف ہے۔

مولانا کو چاہئے کہ ہاؤس میں ایسی قرارداد پیش کرنے کی بجائے باہر نکل کر مشنریوں کا مقابلہ کریں۔ اس طرح تو ہمارے خلاف پروپیگنڈہ کا محاذ کھل جائے گا۔ ہندوستان میں اگر مشنریوں پر پابندی ہے تو ان کا آئین سیکولر ہے۔ (حالانکہ وہ یہ بھول گئے کہ سیکولر ہونے کا تقاضا تو یہ تھا کہ انہیں کھلی چھٹی دی جاتی۔) پھر کہا کہ مولانا نے جو اعداد و شمار پیش کئے ہیں اس سے ہماری نیک نامی ہوتی ہے کہ ہم اقلیتوں کو اتنا موقع دے رہے ہیں۔

جماعت اسلامی کے صاحبزادہ صفی اللہ نے قرارداد کے حق میں اپنی تقریر میں کہا کہ بعض لوگ مولانا کی قرارداد کی غلط تشریح کر رہے ہیں۔ قرارداد کا مقصد ارتداد کو روکنا ہے۔ قتل مرتد کتاب، اجماع سنت، اور خلافت راشدہ کے وقت سے طے شدہ مسئلہ ہے، وزیر قانون کی یہ تشریح بھی غلط ہے کہ اسلام میں ہر کسی کو جو دین چاہے اختیار کرنے کی اجازت ہے، انہوں نے کہا کہ سعودی عرب وغیرہ میں مشنری اداروں اور ارتداد پر پابندی ہے بدنامی سے ڈرنا احساس کمتری ہے۔ آپ جاکر سوشلسٹ ممالک کا حال دیکھیں، پتہ چل جائے گا۔ اسلام بھی ایک ضابطۂ حیات ہے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ جو چاہے اس سے کٹ جائے۔ فوج میں آنے کی مجبوری نہیں، مگر واپسی کی اجازت نہیں ہوتی، تو قرارداد کی مختلف تاویلات نہ کی جائیں۔ اس کا واضح مطلب ارتداد پر پابندی عائد کرانا ہے۔

اس مرحلہ پر شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نے دوبارہ اٹھ کر خود تشریح کی اور فرمایا۔ کہ ہمارے ہاں تمام اقلیتوں کو ان کے اپنے مذہب پر عمل کرنے کی مکمل آزادی آئین نے بھی دی ہے۔ ہم اس پر کوئی قدغن نہیں لگانا چاہتے۔ میرا مقصد قرارداد پیش کرنے سے یہ ہے کہ پاکستان جو بہت سی قربانیوں اور لاکھوں مسلمانوں کے اجڑنے کے بعد اسلام کی خاطر بنا ہے، تو پاکستان بنتے وقت عیسائی تعداد ۸۰ ہزار تھی مگر آج وزیر قانون نے اعتراف کیا کہ اب ۱۵ لاکھ کی تعداد ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اتنی تعداد مشنریوں کی وجہ سے نہیں بڑھی؟ یہ لوگ باہر کی عیسائی مملکتوں کے فنڈز سے پاکستان کے شہریوں کے مذہب اور ملک کی حدود اور سالمیت کو خطرہ پیدا کر رہے ہیں۔ تبلیغ سے نہیں کہ دلائل عقلی اور حکمت سے کسی کا مذہب اور عقیدہ بدلا گیا ہو۔ بلکہ مالی امداد لالچ اور ترغیب دے کر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ تو درحقیقت اغوا ہوتا ہے۔ اور ان مالی حربوں سے لوگ بعض مصالح دنیوی کی خاطر ان کے زمرہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔

۱۹۷۱ء کی لڑائی میں پاکستان کی سرحدات پر عیسائی مشنریوں نے خفیہ کام کیا پاکستان کو نقصان پہنچایا تو ملک کی حفاظت کی خاطر ان سرگرمیوں کو روکنا چاہئے۔ اس کے بعد مولانا مدظلہ نے ایک پاکستانی مسیحی مسٹر انتھونی کا ایک حوالہ پڑھ کر سنایا کہ ـــــ "آج مغربی پاکستان میں عیسائیوں کے پورے پورے گاؤں معرض وجود میں آچکے ہیں۔ پاکستان نے عیسائی مشنریوں کی سرگرمیوں کا خیر مقدم کیا ہے۔ ارباب اقتدار

نے ممنونیت کے ساتھ دستِ اعانت بڑھایا ہے۔ ان آبادیوں کی اکثریت کا دارومدار ایسے فنڈز (جو بیرونی ممالک سے درآمد ہوتے ہیں۔ اور ان کی مقدار کئی ملین ڈالر تک پہنچتی ہے۔ ابھی مولانا نے یہ حوالہ پورا نہیں کیا تھا کہ عبدالحفیظ پیرزادہ نے اٹھ کر کہا کہ مولانا نام لیں جنگ میں کس نے جاسوسی کی، یہ آپ کیا لئے بیٹھے ہیں۔ آئینی پوزیشن کو بھی سمجھنا ہے اس طرح نقصان ہوگا ——— مولانا نے کہا کہ یہ صرف مذہبی معاملہ نہیں، سیاسی معاملہ بھی ہے۔ البتہ اگر وزیر قانون یقین دہانی کرائیں کہ دوسرے موقع پر اسے پیش کر دوں گا۔ تو اس وقت تک میں قرارداد کو واپس لیتا ہوں۔ البتہ قرارداد کا واپس لینا مقید اور مشروط ہوگا کہ اسے دوبارہ ایوان میں پیش کرنے سے نہیں روکا جائے گا۔ پیرزادہ نے کہا کہ ہم کس طرح روک سکتے ہیں۔ آپ جس وقت چاہیں اسے ایوان میں لا سکتے ہیں، میں کیسے روکوں گا۔ مولانا نے اس پر قرارداد مستقل آئین کے نفاذ تک واپس لی۔ اخبارات میں مبہم واپس لینے کا ذکر آیا۔ تو دوسرے دن ایوان میں مولانا نے اسکی وضاحت ضروری سمجھتے ہوئے دو باتوں کی طرف سپیکر کو توجہ دلائی ——— ایک یہ کہ قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کی میری قرارداد یہ کہہ کر مجھے واپس کر دی گئی کہ یہ مفاد عامہ کے خلاف ہے۔ حالانکہ یہ مسئلہ عین مفاد عامہ کا تقاضا ہے۔ اور مرزائیوں کو الگ کر دینا خود قادیانیوں کے مسلک اور پالیسی کے مطابق بھی ہے۔

سپیکر نے کہا کہ اس بارہ میں آپ میرے چیمبر میں آکر مجھ سے گفتگو کریں، یہاں نہیں کر سکتے۔ دوسری وضاحت مولانا نے یہ کی میں نے جناب سپیکر اور وزیر قانون کے مشورہ اور یقین دہانی پر مشروط طور پر قرارداد ملتوی کر دی ہے۔ واپس نہیں لی۔ کیا میں نعوذ باللہ ارتداد کی اجازت دے سکتا ہوں۔ سپیکر نے کہا ہاں یہ واپسی آئین کے نفاذ تک ہے۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے بھی مولانا کی تائید میں فرمایا کہ نئے آئین کے بعد قرارداد کو ایوان میں لانے کے بارہ میں وزیر قانون کی یقین دہانی ریکارڈ پر ہے۔ مشورہ قبول کرنے کا مطلب قرارداد کو بالکل واپس لینا نہیں۔

سودی نظام کے خاتمہ کی قرارداد

اس کے بعد مولانا عبدالحق مدظلہ نے سودی نظام کے متعلق وہ قرارداد پیش کی جس پر معرکۃ الآراء بحث ہوئی اور بالآخر سرکاری پارٹی نے اسے رائے شماری کے بعد اپنی اکثریت کے بل بوتے پر مسترد کر دیا۔ قرارداد میں ملک بھر میں سودی اقتصادی اور معاشی کاروباری نظام بشمول بنکنگ وغیرہ کو اسلامی اقتصادی نظام سے بدلنے کا کہا گیا تھا۔ نہ صرف آج کے غیر سرکاری دن بلکہ اگلے غیر سرکاری دن کو بھی اس پر بحث ہوتی رہی وزیر خزانہ مبشر حسن جناب پیرزادہ جناب جے اے رحیم، شیخ رشید وزیر صحت، علی حسن منگی، غلام نبی چوہدری، جناب ممتاز احمد، جناب راؤ حفیظ اللہ، جناب گردیزی وغیرہ نے قرارداد کے مندرجات سے ایک حد تک اتفاق کرتے ہوئے بھی قرارداد کی مخالفت میں تقریریں کیں اور خود محرکِ قرارداد مولانا عبدالحق کے

کے علاوہ جناب غلام فاروق خان، راؤ خورشید علی، مولانا ازہری، مولانا محمد علی، مولانا عبدالحکیم، مولانا نعمت اللہ، مولانا ہزاروی، پروفیسر غفور جناب فاروقی صاحب، جناب محمود علی قصوری، جناب کرم بخش اعوان اور سرکاری پارٹی کے جناب غلام رسول تارڑ نے قرارداد کے حق میں تقریریں کیں۔ اخبارات میں پچھلی قرارداد کی طرح اس بحث مباحثہ کا بھی بہت ہی کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ذکر آیا۔ اس لئے ہم ملک کو اقتصادی اور معاشی لحاظ سے درپیش اس اہم مسئلہ پر دونوں فریقوں کے ضروری نقطہ ہائے نظر پیش کرنا چاہتے ہیں ____

سب سے پہلے قرارداد کے محرک مولانا عبدالحق مدظلہٗ نے تشریحی تقریر میں مختصراً سود کی شرعی قباحتوں پر روشنی ڈالی اور کہا کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا سرکاری مذہب آئینی طور پر اسلام مانا گیا ہے، اور یہ سب کو معلوم ہے کہ سود چاہے جس شکل میں بھی ہو اسلام نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ احل اللہ البیع وحرم الربوا۔ صاف اعلان ہے۔ (جو اللہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص سودی کاروبار کرتا ہے اسے میری طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔ فأذنوا بحرب من اللہ ورسولہ۔ پھر ہمارے آئین میں بھی ہے کہ ہم سودی لین دین اور معاملات کو ختم کریں گے تو میری قرارداد کا مقصد یہ ہے کہ سودی نظام کو اسلام کے معاشی نظام سے تبدیل کرکے ملک میں غیر سودی نظام رائج کیا جائے۔

مولانا کے بعد سوشلسٹ نظام برپا کرنے کی دعویدار پارٹی کی طرف سے غلام نبی چوہدری نے قرارداد کی مخالفت کرتے ہوئے کہا آج کی ترقی پذیر دنیا میں کوئی بھی صنعت و تجارت سود کے بغیر آگے بڑھ نہیں سکتی۔ اور بنکوں کی حیثیت شریانوں جیسی ہے۔ مولانا بنک کے منافع کو سود سے تشبیہ دے رہے ہیں، اس کے بغیر ہم دنیا کے ساتھ معاملات نہیں کر سکتے۔ سود تو سود خوار پٹھانوں والا حرام ہے۔ مطلقاً نہیں۔ اس ریمارک پر ایوان میں شور ہوا۔ اور مقرر نے الفاظ واپس لئے اور اس ضمن میں اصل مسئلہ کو ہنسی مذاق کو ٹالنے کی کوشش شروع ہوئی۔ مولانا غلام غوث ہزاروی نے تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ مسئلہ بڑا نازک ہے اس لئے مذاق سے کام نہیں لینا چاہئے، سوال بنکوں کے نہ ہونے کا نہیں سودی بنکنگ نظام کا ہے۔ مولانا نے سرکاری پارٹی کا رخ معقول موقف کی طرف موڑنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا کہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس بارہ میں سوچا جائے گا۔ لیکن سودی نظام کے حق میں دلائل پیش کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ مگر مولانا ہزاروی کے ارشاد کے برعکس آخر تک وہی نامعقول انداز سامنے آتا رہا۔ چوہدری غلام نبی کو اصرار تھا کہ میں بنک کے منافع کو سود تسلیم ہی نہیں کرتا۔ یہ تو ملازمین کی محنت ہے، منجمد سرمایہ کو حرکت دینا ضروری ہے۔ پروفیسر غفور نے پھبتی کسی کہ آج یہ سرمایہ داروں کا ایجنٹ بن کر کون بول رہا ہے؟ مولانا ہزاروی نے بھی کہا کہ اجلاس کے

کسی ممبر کو مفتی بننے کا حق حاصل نہیں۔ مصر کے مجمع البحوث الاسلامیہ کے سینکڑوں علماء نے سود کی موجودہ تمام قسموں کو حرام قرار دیا ہے۔

پھر ہمارے وزیر خزانہ بھی سودی نظام کو سرمایہ دارانہ نظام کی جڑ سمجھتے ہیں۔ غلام نبی صاحب نے کہا کہ سعودی عرب کے سرمایہ سے یورپ کے بنک چل رہے ہیں اور حکومت منافع لے رہی ہے۔ وزیر خزانہ ڈاکٹر مبشر حسن نے سود کی مخالفت کرنے کے ساتھ قرارداد کی بھی مخالفت کی اور کہا کہ صرف بنکوں سے سود کے خاتمہ سے استحصال ختم نہیں ہوتا۔ بٹائی وغیرہ کی کئی صورتیں سود میں آتی ہیں۔ (حالانکہ قرارداد میں صرف بنکوں کا نہیں ہر قسم سودی نظام کا ذکر تھا) انہوں نے کہا کہ ہمارے سوشلسٹ نظام قائم کرنے کے دعوؤں کا مطلب استحصال کی تمام قسموں کو ختم کرنا ہے۔ مگر ایک قرارداد پاس کرکے ہم کیسے سود ختم کر سکتے ہیں۔ اس لئے قرارداد کی مخالفت کرتا ہوں۔ اس مرحلہ پر ملک محمد جعفر جو قائم مقام سپیکر کے فرائض انجام دے رہے تھے نے قانونی نکتہ اٹھا کر وزیر قانون وغیرہ سے دریافت کرنا چاہا کہ ربوا ختم کرنے کا ذکر عبوری اور مستقل آئین کے رہنما اصولوں میں ہے تو کیا ایسی بات کے متعلق قرارداد آسکتی ہے۔ پیرزادہ صاحب وزیر قانون نے جواب میں کہا کہ قرارداد سے نیشنل اسمبلی کی خواہشات حکومت تک پہنچائی جاتی ہیں۔ آئین قرارداد سے بالاتر ہے۔ اب جب آئین میں ذکر ہے تو قرارداد کی اہمیت بھی نہیں رہتی اس لئے اگر مولانا اسے واپس لے لیں تو بہتر ہوگا۔ سابق وزیر قانون میاں محمود علی قصوری نے اس نکتہ پر بولتے ہوئے کہا کہ خود پالیسی اصول کے بارہ میں یہ مسلم ہے کہ اسے قانونی ادارہ کے ذریعہ نافذ نہیں کیا جاسکتا۔ تو اس کی قانونی حیثیت کچھ بھی نہیں۔ اس میں شراب اور دیگر محرمات کے ختم کر دینے کا بھی ذکر ہے۔ مگر اس کے باوجود اس ملک میں سب کچھ ہو رہا ہے۔ تو یہ پالیسی اصولوں پر عمل کرنے کا طریقہ ہے کہ ادارہ اپنی خواہشات کا قرارداد کے ذریعہ حکومت پر دباؤ ڈالتا ہے۔ پالیسی اصولوں کا مطلب یہ نہیں کہ قرارداد ہی نہ آسکے۔ نائب سپیکر نے کہا کہ جب پالیسی کے اصولوں میں ہے تو تحصیل حاصل ہے۔

قصوری صاحب نے کہا کہ اس ادارہ کا کام اسے نافذ کرانا اور اس پر رائے کا اظہار کرنا ہے۔ اس ادارہ کو حق حاصل ہے کہ وہ قرارداد کے ذریعہ ملک بھر کے قحبہ خانے شراب نوشی اور سود وغیرہ ختم کرنے کا مطالبہ کرے۔

اس کے بعد وفاقی وزیر جے اے رحیم نے تقریر میں کہا کہ بیشک مولانا بہت پرہیزگار اور پاکیزہ کردار والے ہیں۔ مگر جس نظام کو وہ اس ملک میں لانا چاہتے ہیں وہ مثالی نظام اس غریب ملک میں نہیں آسکتا۔ اس کے لئے انقلابی اقدامات کی ضرورت ہوگی۔ میں نہیں سمجھتا کہ بنکوں کا نظام ختم کیا

جاسکتا ہے جناب غلام فاروق صاحب جو اقتصادیات کے گنے چنے ماہرین میں سے ہیں اور بینکنگ کا بھی تجربہ رکھتے ہیں نے قرارداد کی پر زور حمایت کی اور اس بات کی تردید کی بنکنگ نظام بغیر سود کے نہیں چل سکتا۔ انہوں نے اسی برصغیر سے کئی مثالیں پیش کیں کہ بڑی بڑی صنعتیں اور ادارے بغیر سود کے قرضے لے کر شروع کئے گئے، احمد آباد بھارت کی تمام ملز اس کی مثال ہیں۔ یہ تمام کاروباری ترقی بغیر سودی نظام کے بھی انہیں حاصل ہوگی۔

مولانا عبدالحکیم نے کہا کہ بحث کا رخ بنکوں پر آکر محدود ہوگیا ہے۔ حالانکہ قرارداد میں سود کی تمام قسموں کا ذکر ہے۔ پروفیسر غفور نے بھی عبوری اور مستقل آئین کے حوالہ سے سودی نظام ختم کر دینے پر زور دیا اور کہا کہ آئین میں پچھلے سارے قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھال دینے کا بھی ذکر ہے جب سود حرام ہے تو حکومت کا فرض ہے کہ اس بارہ میں عملی اقدامات کرے۔ مولانا عبدالحق مدظلہ نے بھی اس مرحلہ پر کہا کہ قرارداد سے مستقل آئین اور عبوری میں سود کی ممانعت کی اہمیت اور بڑھ سکتی ہے تو پھر قرارداد منظور کر دینے میں کونسی قباحت ہے۔ اس لئے میں قرارداد واپس لے لینے کا مشورہ قبول نہیں کر سکتا۔ آپ اسے کثرت رائے سے مسترد کر دیں یا بحث جاری رکھیں، بحث جاری رہی اور پیپلز پارٹی کے جناب غلام رسول تارڑ نے قرارداد کے حق میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ میرے نزدیک سود قطعی غیر اسلامی چیز ہے۔ اس پر بحث کرنا ہی نہیں چاہئے۔ سعودی عرب میں سود کا ایک پیسہ وصول نہیں ہوتا۔ نظام بدلنے سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ غریب ملک جو بھیک مانگتے تھے وہاں زکوٰۃ وصول کرنے والا نہیں ملتا اور وہاں سود نہیں۔ یہ ملک سود کے بغیر بے مثال ترقی کر سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ معاملہ مشاورتی کونسل بھیجا جائے۔ مگر تین ماہ میں رپورٹ آنے کی شرط لگائی جائے۔ مشاورتی کونسل مجبور ہوتی ہے یا آزاد مجھے اس سے بحث نہیں مگر اس میں جید علماء کو مقرر کرنا چاہئے۔ ہم جب مسلمان ہیں قرآن وسنت پر ایمان رکھتے ہیں تو سود کو حرام کہنا ہی پڑے گا۔ تارڑ صاحب کی تقریر سرکاری تکدہ میں ایک ہی اذان تھی۔

وزیر خزانہ نے مشاورتی کونسل کے سلسلہ میں جواب دیتے ہوئے کہا ۱۹۵۹ء میں مشاورتی کونسل نے جواب دیا تھا کہ وہ اس بارہ میں متفق ہے کہ ربوا حرام ہے، مگر وہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ عوامی سودوں اور صوبائی قرضوں وغیرہ پر لگایا گیا۔ سود ربوا میں شامل ہے یا نہیں وزارت مالیات نے پھر ابہام رفع کرانا چاہا کونسل نے صاف کہا کہ ہم نہیں بتا سکتے کہ موجودہ سود ربوا میں شامل ہے یا نہیں بعض نے رپورٹ میں کاروباری سود وغیرہ کو حرام قرار دیا بعض نے نوٹ جاری کرنے کا

کمیشن پرائز بانڈ، پراویڈنٹ، پوسٹل لائف فنڈ بھی ربوا میں شامل کر دی۔ بعض نے ربوا کو حرام کہا مگر بنک کے سود کو مستثنیٰ قرار دیا۔ الغرض شخصی ملکیت کی بنیاد سود ہے۔ ہم اسے ختم کریں گے۔ مگر ساری باتوں کو سوچ کر۔ مولانا غلام غوث ہزاروی نے وزیر خزانہ کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ وزیر خزانہ نے علماء اور ججوں کے بڑے حوالے دیئے مگر کونسل میں کون سے علماء تھے۔ اور جب کونسل ایک ایسے مسئلہ پر واضح فیصلہ نہ دے سکی تو ایسے نااہلوں کو کیوں رکھا گیا۔ اس لئے تو ہم کونسل میں کم از کم نصف تعداد علماء کی رکھنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب ہیں میں نے خود کہہ دیا تھا کہ اس موجودہ شکل میں ہم کونسل کے فیصلوں کو کب صحیح کہہ سکتے ہیں۔ اس میں چار علماء رکھنے کا تو ذکر ہے مگر باقی ۹ ارکان کی اہلیت ایسی ہی مبہم رکھی گئی ہے۔ مولانا نے پی پی کے غلام رسول تارڑ کی تحسین کی کہ انہوں نے اسلامی فرض ادا کیا۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ قرارداد کو آپ کونسل بھیج دیں۔ انہوں نے کہا وزیر خزانہ سرمایہ داری کی مخالفت کرتے ہوئے نفع اور سود میں فرق نہیں کر سکتے یہ فرق کرنا اُن کا کام نہیں، مسئلہ نازک ہے۔ اس لئے تقریریں بھی احتیاط سے کرنی چاہئیں۔

پی پی کے باغی جوشیلے ممبر راؤ خورشید علی نے ایمانی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے قرارداد کی حمایت کی اور کہا کہ مولانا عبدالحق کا شکر گزار ہونا چاہئے جنہوں نے معزز ایوان کو یہ موقع فراہم کیا کہ ایسے نازک اہم مسئلہ پر اظہار رائے کیا جائے۔ انہوں نے کہا وزیر قانون کہتے ہیں کہ یہ قرارداد آئین کے مطابق نہیں تو اسے کیوں پیش کرنے دیا گیا اگر مولانا پرائیویٹ بل لاتے تو اس وقت کہہ دیا جاتا کہ اسے قرارداد کی شکل میں آنا تھا۔ بہرحال مولانا کی قرارداد نہایت اہم ہے جب طے شدہ ہے کہ اسلام کے خلاف کوئی کام نہیں کرنا اور اسلام میں ربوا اور سود کی اتنی مذمت آئی ہے کہ آدمی اس پر غور کرے تو ڈر لگتا ہے۔ یہ ہمارے چارسو بھوک افلاس بے روزگاری کی لعنت، سود کا اثر نہیں تو اور کیا ہے۔ تو اسے ٹالنے والی بات موزوں نہیں۔ بلاسود بنکاری ناممکن نہیں، اس پر مستند کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اگر خدا و رسول کو خوش کرنے ہم سود سے پاک معیشت کو آزمالیں تو کیا حرج ہے۔ راؤ صاحب نے کہا کہ دوسری چیز جسے قرارداد کے ذریعہ توجہ دلائی گئی وہ یہ کہ ہماری رائے لوگوں تک پہنچ جائے جن کے ووٹ سے ہم منتخب ہو کر آئے ہیں۔ اب مولانا عبدالحق، مولانا ہزاروی، پیرزادہ صاحب، مبشر صاحب وغیرہ کی ساری باتیں لوگوں تک پہنچیں گی۔ آئندہ لوگ اس بات کا نوٹس لیں گے کہ کون نمائندگی کا اہل ہے۔ جو یہاں ایوان میں خدا و رسول کی سود جیسے مسئلہ میں مخالفت کریں گے تو شاید اس وقت اکثریت کے بل پر اسے ناکام بنا دیں لیکن یہ ساری مخلوق دیکھ رہی ہے، ان کو جواب دہی کرنا پڑے گی کہ یہی لوگ

ہیں جنہوں نے ایوان میں حرام کو حلال قرار دیا۔ تو سود ختم کرنے کے لئے فضا ہموار کرنی چاہیئے۔

علماء ایسی قراردادوں سے آئندہ قانون سازی کا رخ متعین کرنا چاہتے ہیں۔ علماء نے اپنا نقطۂ نظر رکھ دیا ہے۔ اس لئے صحیح معنوں میں قانون سازی کے لئے اس قسم کی قراردادوں پر بحث ضروری ہے کہ ایوان کا نقطۂ نظر سامنے آتا ہے۔

پی پی پی کے گردیزی صاحب نے کہا کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ سود کو حرام سمجھے مگر موجودہ نظام اقتصادیات کے ساتھ چلتے ہوئے کچھ فیصلہ کرنا ہوگا۔ اس کے بعد مولانا عبدالمصطفیٰ الازہری نے قرارداد کی تائید میں تقریر شروع کی اور کہا کہ سود کا مسئلہ کبھی محل نظر نہیں رہا۔ اور آج صبح قاری نے جو تلاوت کی، اتفاقاً وہ قدرت کیطرف سے آج کے مسئلہ پر ایک تنبیہ تھی۔ کہ من اعرض عن ذکری فان لہٗ معیشۃ ضنکا۔ یہ معیشت کا فساد خدا سے روگردانی ہی کا نتیجہ ہے ـــ (اجلاس ختم ہونے کا وقت ہوا اور بحث دوسرے کسی غیر سرکاری دن پر ملتوی کراتے ہوئے سپیکر نے اجلاس ختم کرادیا۔)

۲۹ جون ۷۳ء کو قرارداد پر دوبارہ بحث شروع ہوئی تو ازہری صاحب نے اپنی تقریر جاری رکھ کر کہا کہ قرآن کا اصولِ معاشیات لَا تَظْلِمُونَ ولا تُظْلَمُونَ ہے۔ نہ خود ظلم کرے نہ دوسرے کو موقع دے۔ سودی ظلم کا کاروبار مٹانا اسلامی حکومت کا فرض ہے۔ حضورؐ نے حجۃ الوداع میں سود کو قدموں میں روندنے کا اعلان کیا۔ حضورؐ کے اس اعلان کو ہم یہاں ایوان میں دہرا کر اور ایوان کو شاہد بنا کر احکامِ شریعت پہنچانے کا فریضہ ادا کرچکے ہیں اس لئے میں مولانا عبدالحق مدظلہٗ کی قرارداد جس میں مسلمانوں کی ترجمانی کی گئی ہے کی تائید کرتا ہوں۔

جماعت اسلامی کے جناب محمود اعظم فاروقی نے قرارداد کے حق میں کہا کہ ہم ترقی یافتہ ملکوں سے بلاسود قرضوں کے امیدوار ہیں اور ملکی قرضوں پر سود لگاتے ہیں۔ یہاں تک کہ مزدور کی سائیکل قرض خرید نے پر بھی سود لگاتے ہیں۔ یہ کیسا تضاد ہے۔ تو دستور پر کچھ تو عمل ضروری ہے۔ حقائق سے انحراف نفاق ہے جو ہماری پالیسیوں کا اذیت ناک پہلو ہے۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ یہ مسئلہ اسلامی مشاورتی کونسل کو جب بھیجا گیا تو کونسل نے بنک کے سود کو بھی حرام قرار دیا اور رپورٹ کی اکثریت کی رائے ہر قسم کے سود کو حرام قرار دینے کی تھی مگر اس رپورٹ کو مختلف وجوہات سے رکوا دیا گیا۔

قائم مقام سپیکر ملک محمد جعفر نے لفظ ربوا کے معنی متعین کرانے پر زور دیا۔ فاروقی صاحب نے کہا کہ لفظ کا معنی اس کا معاشرہ میں استعمال سے متعین ہوتا ہے۔ حضورؐ کے زمانہ میں ربوا کی وہی شکل تھی جو آج

سود کی شکل میں رائج ہے۔ بلا سود بنکاری انوکھی چیز نہیں، مغربی مفکرین اور ماہرین معاشیات سودی نظام کو معاشی نقطۂ نظر سے غلط قرار دے چکے ہیں۔ ہمارے سٹیٹ بنک کے گورنر بھی باہر جاکر یہی کہتے ہیں۔ تو آج کا سود جو مہاجن سود ہے کہ دس ہزار پر اٹھارہ ہزار سود ہے۔ اس لئے مولانا کی قرارداد نہایت بروقت ہے۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے بھی ملک جعفر کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ انٹرسٹ کا مطلب لاءبک میں وہی ہے جو ربوا ہے شریعت میں۔

پیپلز پارٹی کے ممتاز احمد صاحب نے بھی سرکاری ترجمانی کرتے ہوئے وہی بات دہرائی کہ سود لینا دینا گناہ ہے۔ مگر پہلے معاشرہ کو اسلامی بنانا ہوگا۔ مگر وہ یہ وضاحت نہ کرسکے کہ آخر اسلامی بنانے کا یہ عمل سود، شراب، جوا، زنا کے خاتمہ سے نہیں شروع ہوسکتا تو کب اور کیسے شروع و وجود ہوگا۔ ممتاز احمد صاحب نے یہ بھی الزام لگایا کہ اسلامی حکومتوں میں سود مضاعفاً بھی لیا جاتا تھا۔ بنکوں کے نظام نے بتدریج اسکی شرح کم کردی۔ اب کسی ملک میں بھی سودی نظام کے بغیر معاشیات چل سکنے کی مثال نہیں۔ سوشلسٹوں نے بھی پہلے سرمایہ داری ختم کردی تب بلا سود بنکاری قائم کی۔

جمعیۃ العلماء پاکستان کے مولانا سید محمد علی نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ قرارداد کے مخالفین سرمایہ داری کی بنیادیں مستحکم کرنا چاہتے ہیں جس کے خلاف زبانی دعوے ہورہے ہیں۔ بنکوں کو مضاربت کی شکل میں بھی چلایا جاسکتا ہے۔ نقصان کے بغیر نفع ہی نفع تو قطعاً سود ہے۔ مضاربت سے چھوٹے سرمایہ کار بھی نفع میں شریک ہوسکیں گے۔ صرف بنک کے دیوالیہ کا خطرہ بھی ختم ہوجائے گا کہ سرمایہ والے بھی نقصان میں شریک ہوں گے۔

ملک جعفر اور ڈاکٹر مبشر حسن نے یہ نکتہ اٹھایا کہ منقولہ یا غیر منقولہ جائداد کے استعمال کا معاوضہ اور زمین کا ٹھیکہ دینا اور لگان وغیرہ بھی سود ہے یا نہیں۔ فاضل مقرر اس الجھن کو وضاحت سے دور نہ کرسکے مگر ان کی تقریر جاری تھی تو جواب بھی دیتے رہے۔ پھر بھی انہوں نے اجارہ، رہن اور سود کا فرق سمجھانے کی کوشش کی۔

جمعیۃ العلماء اسلام کے مولانا نعمت اللہ نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ سود کی حرمت کے وقت بھی لوگوں کو ایسی ہی الجھنیں تھیں کہ روپیہ پہ روپیہ تو ناجائز اور تجارت کا نفع جائز مگر نفع اور سود میں فرق ہے۔ سود میں اصل محفوظ ہوتا ہے۔ نقصان ایک کا ہوتا ہے، تجارت میں اصل کے ضائع ہونے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔ اگر کثرت ذخیرہ اندوزی کے خیال سے خریدے وہ بھی حرام ہے۔ مہنگائی پیدا کرنے کی نیت سے بھی حرام ہے مگر عام تجارت حلال ہے۔ اگر ہم مسلمان ہیں تو ہمیں انگریزی نظام، تہذیب و تمدن سب

کو چھوڑنا ہوگا۔ مولانا نے تعجب ظاہر کیا کہ یہاں اور باہر تو سب سود کو حرام کہتے ہیں۔ مگر ووٹ پھر بھی خلاف دیدیتے ہیں۔ یہاں بانی پاکستان کی بے عزتی کرنے والوں کے لئے تو ہتھکڑیاں ہیں مگر اسلام کے اصولوں کی اس طرح پامالی کے لئے کوئی سزا نہیں ہیں اس لئے عوام نے منتخب کیا کہ اسلامی فریضہ ادا کر سکیں اگر آج ہی آپ اعلان کردیں تو کوئی بھی کام نہیں رکے گا۔ قذافی نے شراب سود سب کچھ حرام کردیا اس کا کون سا کام بند ہوا۔

مولانا عبدالحکیم نے کہا کہ ہم سرکاری کے مخالف نہیں اسکی اصلاح کرنا چاہتے ہیں اسلام کا عدل عمرانی نافذ کرانے کے لئے سود کا خاتمہ ضروری ہے۔ سود ی مسئلہ عقل سے زیادہ نقل سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ اور صحیح نقلی دلیل ہزار عقلی باتوں پر بھاری ہے۔ انہوں نے اسلام میں قرض حسنہ کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور کہا کہ قرضوں کا تحفظ زبان مقبوضہ کہہ کر کیا گیا۔ اگر رہن نہ ہو تو وثیقہ لکھ دیا جائے۔ تجارت میں شراکت کی اجازت دی۔ ظلم اور حق تلفی روکنے کے لئے تلقی الجلب (شہر سے باہر جاکر سودا کرنا) سے روکا کہ اسے مارکیٹ میں آنے دو تاکہ وہ خود مارکیٹ میں اپنی قیمت متعین کرسکیں انہوں نے کہا ہم استحصال ختم کرنے کے دعووں کے باوجود سود باقی رکھنے پر کیوں مصر ہیں جو مغربی نظام کے بانی یہودیوں کا ورثہ ہے۔

کونسل لیگ کے رکن کرم بخش اعوان صاحب جواب سرکاری پارٹی کے ہمنوا ہیں نے بھی قرارداد کی حمایت کی اور کہا کہ کلمہ پڑھنے کے بعد حضورؐ کے لائے نظام حیات کے ہم پابند ہوتے پھر بھی ایسی چیزمیں جائز و ناجائز کا پوچھتے ہیں۔ اگر ہماری زندگی اپنی پٹری پر نہ رہی تو ایکسیڈنٹ یقینی ہوگا۔ قوم خدا کے صراط مستقیم پر رہی تو توازن قائم رہے گا ـــــ پیپلز پارٹی کے علی حسن منگی نے قرارداد کی مخالفت کی اور کہا اقتصادی بین الاقوامی معاہدوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ترقیاتی مقاصد کے لئے قرضوں کی ضرورت ہے ـــــ راؤ حفیظ اللہ نے بھی قرارداد کی مخالفت میں ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ـــــ اس وقت ایوان کا وقت ختم ہونے کا تھا۔ اتفاق سے سرکاری ارکان کی اکثریت نہیں بن سکی تھی، حزب اختلاف کو اصرار تھا کہ ابھی ووٹنگ کرائی جائے۔ مگر سپیکر صاحب برابر ٹال رہے تھے۔ قصوری صاحب نے کہا قرارداد ایک سفارش ہوتی ہے جس پر آپ تحدید نہیں کرسکتے، اب حکومت اس لئے ووٹ نہیں دینا چاہتی کہ پوزیشن خراب ہوتی ہے۔ اس مسئلہ پر ایوان میں ہنگامہ جاری رہا کہ سپیکر نے ڈپٹی لیڈر شیخ رشید کو تقریر کرنے کا کہا ان کی کوئی تقریر استحصال کے ورد سے خالی نہیں ہوتی۔ آج استحصال کی بنیادی جڑ سود ختم کردینے کی مخالفت کرتے ہوئے بھی انہوں نے یہ حربہ خوب استعمال کیا۔ ایک مرحلہ پر جب انہوں نے کہا کہ ہم قرارداد پیش کریں گے۔ کہ ہر قسم کا استحصال ختم کیا جائے تو حزب اختلاف نے شور بلند کیا کہ ابھی

پیش کردو، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ انہوں نے کہا اگر یہ لوگ سود کے مخالف ہیں تو انہوں نے آئین سے سوشلسٹ نظام معیشت کا لفظ کیوں نکلوایا۔ آوازیں آئیں کہ خود نکلوایا، اب قوم کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ بہرحال اسی ہنگامہ میں تقریر ختم ہوئی، رائے شماری سے قبل ضابطہ کے مطابق مولانا عبدالحق محرک قرارداد کو آخری جوابی تقریر کرنا تھی۔ اور ان کا یہی تقاضا تھا مگر حزب اختلاف چاہتی تھی کہ قرارداد پہ دوسرے کسی دن پر ٹالنے کی بجائے ابھی ٹائم جو چند ہی منٹ بچتے ختم ہونے سے قبل ووٹنگ کرائی جائے۔ چنانچہ ووٹنگ میں حزب اختلاف کے کل موجود ۲۲ ارکان نے حق میں اور سرکاری پارٹی کے موجود ۳۲ ارکان نے مخالفت میں ووٹ دیا اور استحصال، سوشلزم، مساوات محمدی کے دعویداروں نے سودی نظام کے خاتمہ کی قرارداد مسترد کرنے پر خوب تالیاں بجائیں۔

۴۔ روٹری کلب اور لائن کلب | ۵ رجولائی ۷۳ء کو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے فری میسن تحریک سے ملتی جلتی کلبوں روٹری کلب اور لائن کلب پر پابندی کی قرارداد پیش کی، مولانا نے قرارداد پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ملک بدستور متحد رہے اور دشمنوں کی سازشوں کی آماجگاہ نہ بنے۔ ایسے کلب انتشار پھیلانے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ اور اہم اطلاعات ملک سے باہر بھیج سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا جب حکومت نے فری میسن پر پابندی لگا کر اس کی خرابیاں تسلیم کر لی ہیں۔ تو اس تحریک سے ملتی جلتی سرگرمیاں خود بخود ممنوع ہونی چاہئیں، مولانا مفتی محمود، مولانا عبدالحکیم اور مولانا عبدالمصطفیٰ الازہری صاحبزادہ صفی اللہ، راؤ خورشید علی خان، صاحبزادہ احمد رضا قصوری نے قرارداد کی حمایت کرتے ہوئے ایسی کلبوں کو صیہونی اور یہودی سازشوں کے مراکز قرار دیا، جہاں شراب نوشی اور قمار بازی کی ترویج ہوتی ہے۔ یہ سامراج کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ خان عبدالقیوم مرکزی وزیر داخلہ نے تقاریر کے بعد یقین دہانی کرائی کہ ڈیفنس اور سول سروسز کے ملازمین پر ان کلبوں کا رکن بننے پر پہلے ہی پابندی لگا دی گئی ہے۔ اگر ان کلبوں کے بارہ میں ملک دشمن سرگرمیوں کی اطلاعات ملیں تو حکومت ان پہ فوراً پابندی لگا دے گی۔

سمیع الحق

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

کاغذ کی ہوشربا گرانی بلکہ نایابی اور دیگر تمام مصارف میں بے حد اضافہ ہو جانے کی وجہ سے الحق کے سالانہ چندہ میں مجبوراً اسی ماہ سے اضافہ کیا جا رہا ہے۔ جولائی ۷۳ء سے سالانہ چندہ دس روپے اور فی پرچہ ایک روپیہ ہوگا۔ نیز قارئین کرام یہ بھی نوٹ فرمائیں کہ مذکورہ مجبوریوں کی وجہ سے اگست اور ستمبر کا مشترکہ شمارہ ستمبر ۷۳ء کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوگا۔

(مینیجر ماہنامہ الحق)

قادیانیت اور سیاسیات

پروفیسر محمد الیاس برنی ایم اے
سابق صدر شعبہ معاشیات
جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

★

اخذ و ترتیب :- محمد سعد سراجی موسیٰ زئی

قادیانیت بڑی حد تک ایک سیاسی تحریک ہے۔ یہ تحریک انگریزوں کی سرپرستی میں جاری ہوئی اور خوب پھلی پھولی۔ چنانچہ خود مرزا قادیانی صاحب فخریہ اقرار بلکہ اعلان کرتے ہیں کہ قادیانی جماعت سرکار انگریزی کا خود کاشتہ پودا ہے۔ اور واقعی انگریزوں نے بھی اس پودے کی خود آبیاری کی۔ انگریزوں کی غرض یہ تھی کہ قادیانیت پھیلے تو خود قرآن اور رسالت کی اساس پر مسلمانوں میں نفاق شقاق اور افتراق پھیلے اور ملت اسلامیہ کا رہا سہا اتحاد پاش پاش ہوجائے۔ پھر قادیانی تعلیم کے بموجب جہاد بالسیف منسوخ ہوجائے، حتیٰ کہ قادیانی تمناؤں اور دعاؤں کے بموجب انگریز اسلامی ممالک پر قابض ہوجائیں، حکمران بن جائیں اور ان کے سایہ عاطفت میں وہاں قادیانیت فروغ پائے۔ جیسے کہ ہندوستان میں انگریزی سرپرستی سے قادیانیت کو فروغ حاصل ہوا انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ۔۔۔ چنانچہ اسکی تفصیل ذیل میں پیش ہوگی۔

خود مرزا قادیانی صاحب تحریک (قادیانیت) کا سرکار انگریزی کے ساتھ کیسا تعلق سمجھتے ہیں۔ صرف چند اشارات ملاحظہ ہوں۔ خوشامد کی حاجت کسی بات میں بھی تکلف نہیں اور تکلف کی گنجائش بھی نہیں۔ جبکہ بقول مرزا قادیانی صاحب قادیانی جماعت سرکار انگریزی کی نمک پروردہ ہے۔ اور نمک حلالی کی اہمیت بہر صورت مسلّم ہے۔

میری اس درخواست سے جو حضور کی خدمت میں مع اسماء مریدین روانہ کرتا ہوں۔ مدعا یہ ہے کہ اگرچہ میں ان خدمات خاصہ کے لحاظ سے جو میں نے اور میرے بزرگوں نے محض صدق دل اور اخلاص اور جوش وفاداری سے سرکار انگریزی کی خوشنودی کے لئے کی ہیں۔ عنایت خاص کا مستحق ہوں۔

صرف یہ التماس ہے کہ سرکار دولت مدار ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس سال کے متواتر تجربہ سے

ایک وفادار جان نثار خاندان ثابت کر چکی ہے اور جس کی نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چٹھیات میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار انگریزی کے خیر خواہ اور خدمت گزار ہیں۔ اس خودکاشتہ پودے کی نسبت نہایت حزم و احتیاط سے کام لے اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ فرمائے[1] کہ وہ بھی اس خاندان کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو خاص عنایت کی نظر سے دیکھیں[2]۔

ہمارے خاندان نے سرکار انگریزی کی راہ میں اپنے خون بہانے اور جان دینے سے فرق نہیں کیا۔ اور نہ اب فرق ہے[3]۔

لہٰذا ہمارا حق ہے کہ ہم خدمات گزشتہ کے لحاظ سے سرکار دولت مدار کی پوری عنایت اور خصوصیت توجہ کی درخواست کریں تاکہ ہر ایک شخص بے وجہ ہماری آبروریزی کے لئے دیدہ دلیری نہ کر سکے[4]۔ اب کسی قدر اپنی جماعت کے نام ذیل میں لکھتا ہوں[5]۔

(۱) خان صاحب محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ جن کے خاندان کی خدمات گورنمنٹ عالیہ کو معلوم ہیں[6]۔

(درخواست بحضور نواب لفٹننٹ گورنر بہادر دام اقبال، منجانب خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان مورخہ ۲۴ / فروری ۱۸۹۸ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ہفتم۔ مؤلفہ میر قاسم علی صاحب قادیانی

(۲) نمک پروردہ جماعت :۔۔۔ غرض یہ ایک ایسی جماعت ہے جو سرکار انگریزی کی نمک پروردہ اور نیک نامی حاصل کردہ اور مورد مراحم گورنمنٹ ہیں[7]۔ اور زیادہ لوگ جو میرے اقارب اور خدام میں سے ہیں۔

---

[1] اشارے کی خوب کہی۔ [2] ایک خاص عنایت و مہربانی کی نظر۔ ؏ عاقل را اشارہ کافیست۔

[3] البتہ اللہ کی راہ میں جہاد بالسیف خاص کر انگریزوں کے مقابل مرزا قادیانی صاحب کے نزدیک منع اور حرام ہے۔ اللہ رے دنیا داری۔

[4] مقطع کا بند قادیانی سخن سازی کا اچھا نمونہ ہے۔

[5] تاکہ معاملات میں سرکار ان کا خاص خیال رکھے۔

[6] اس فہرست میں ۳۱۶ مریدوں کے نام ہیں۔

[7] نمک پروردہ اور مورد مراحم گورنمنٹ! یہی قادیانی جماعت کی مختصر مگر جامع تعریف ہے۔

ان کے علاوہ ایک بڑی تعداد علماء کی ہے جنہوں نے میری اتباع میں اپنے وعظوں سے ہزاروں دلوں میں گورنمنٹ کے احسانات جمادئے ہیں اور میں مناسب دیکھتا ہوں کہ ان میں سے چند مریدوں کے نام بطور نمونہ[۸] آپ کے ملاحظہ کیلئے لکھ دوں[۹]

درخواست بحضور نواب لفٹنٹ گورنر بہادر دام اقبالہ

منجانب خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان۔ مورخہ ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء مندرجہ

تبلیغ رسالت جلد ہفتم مؤلفہ میر قاسم علی صاحب قادیانی

(۳) جہاد کے مخالف :۔۔۔ میں نے صدہا کتابیں جہاد کے مخالف تحریر کرکے عرب اور مصر اور بلاد شام اور افغانستان میں گورنمنٹ (انگریزی) کی تائید میں شائع کی ہیں۔ کیا آپ نے بھی ان ملکوں میں کوئی ایسی کتاب شائع کی[۱۰] باوجود اس کے میری یہ خواہش نہیں کہ اس خدمت گذاری کی گورنمنٹ کو اطلاع دوں یا اس سے کچھ صلہ مانگوں جو انصاف کی رو سے اعتقاد تھا وہ ظاہر کردیا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا اشتہار مندرجہ تبلیغ رسالت جلد چہارم حاشیہ صفحہ ۴۶

مؤلفہ میر قاسم علی صاحب قادیانی

(۴) میری تلوار (گورنمنٹ برطانیہ) حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں کہ میں وہ مہدی موعود ہوں اور گورنمنٹ برطانیہ میری وہ تلوار ہے۔[۱۲] جن کے مقابلے میں ان علماء کی کچھ پیش نہیں جاتی[۱۳] اب غور کرنے کا مقام ہے کہ ہم احمدیوں کو اس فتح (بغداد) سے کیوں خوشی نہ ہو[۱۴] عراق عرب ہو یا شام ہم ہر جگہ اپنی تلوار کی چمک دیکھنا چاہتے ہیں[۱۵]

---

[۸] گویا خود کاشتہ نمونے کا پھل۔

[۹] مریدوں کے ناموں کی سرکار کو اطلاع دینا بہت ضروری ہے تاکہ حسب درخواست ان پر "ایک خاص عنایت اور مہربانی کی نظر" رہے۔

[۱۰] خدا نہ کرے مسلمان اس طرح دین فروشی پر اتر آئیں۔

[۱۱] مرزا قادیانی صاحب نے اشتہار شائع کردیا گورنمنٹ کو ہرگز اطلاع نہیں دی ۔۔۔ رہا صلہ کا سوال سو اس کی بابت گوناگوں رنگ میں متعدد درخواستیں موجود ہیں جو کہیں کہیں تو درازی سے تجاوز کر گئی ہیں۔

[۱۲] گورنمنٹ برطانیہ مرزا قادیانی صاحب کی تلوار ہے یا خود مرزا صاحب گورنمنٹ برطانیہ کی تلوار ہیں کہ اسلام کا خون ہو۔ [۱۳] یعنی سرکار برطانیہ کی زیر حمایت مرزا قادیانی صاحب کے مقابل علماء اسلام کی کچھ نہیں چلتی۔

[۱۴] ضروری خوشی ہونی چاہیئے کہ مرزا قادیانی صاحب کی دعاؤں کی برکت سے بغداد شریف انگریزوں کے ہاتھ آگیا۔

[۱۵] یعنی اسلامی ممالک میں ہر جگہ سرکار برطانیہ کا دور دورہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ قادیانی سیاسی جذبہ کا یہی عروج ہے یعنی برطانیہ کی غلامی۔ نعوذ باللہ

بہرحال جب سرکار انگریزی کی تائید کے آثار قادیانی معاملات میں ظاہر ہونے لگے تو دنیا طلب لوگ جو بالعموم دین کی اہمیت کم سمجھتے ہیں، ترقی کے شوق میں قادیانیت پر گرنے لگے۔ کہ گویا زندگی کی کشمکش، خاص کر سرکاری ملازمتوں، سرکاری ٹھیکوں میں اور دوسری سرکاری کارروائیوں میں ان کا میدان اور ہموار ہو گیا اور ہر طرف سرکاری محکموں میں قادیانی صاحبان کی آؤ بھگت ہونے لگی۔ چنانچہ دنیا طلب لوگ کس طرح قادیانیت کیطرف لپکے اس کی کیفیت خود مرزا قادیانی صاحب کی زبانی مختصراً قابل شنید ہے:

"ہمارے گروہ میں عوام کم اور خواص زیادہ ہیں۔ اس گروہ میں بہت سے سرکار انگریزی کے ذی عزت عہدہ دار ہیں۔ جو ڈپٹی کلکٹر اور اسسٹنٹ کمشنر اور تحصیلدار وغیرہ معزز عہدوں والے آدمی ہیں [لہ] ایسا ہی پنجاب اور ہندوستان کے کئی رئیس اور جاگیردار اور اکثر تعلیم یافتہ ایف اے اور بی اے اور ایم اے اور بڑے بڑے تاجر [لے] اس جماعت میں داخل ہیں۔ غرض ایسے لوگ جو عقل اور علم اور عزت واقبال رکھتے تھے یا بڑے بڑے عہدوں پر سرکار انگریزی کیطرف سے مامور تھے یا رئیس جاگیردار اور تعلقہ دار اور نوابوں کی اولاد تھے۔ اور ہندوستان کے قطبوں اور غوثوں کی نسل سے تھے، جن کے بزرگوں کو لاکھوں اعلیٰ درجہ کے ولی اور قطب سمجھتے تھے وہ لوگ اس جماعت میں داخل ہوئے اور ہوتے جاتے ہیں [شلہ]"

مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کا اعلان زیر عنوان "تزک احمدی" مندرجہ اخبار الحکم قادیان خاص نمبر جلد (۲۷) نمبر $\frac{۱۸}{۱۹}$ مورخہ $\frac{۲۱}{۲۸}$ مئی ۱۹۳۴ء

حاصل کلام یہ کہ سیاسیات کے تعلق سے قادیانیوں اور انگریزوں میں تو چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یا ساتھ تھا۔ لیکن ہندوستان میں ہندو بھی سیاسی اعتبار سے قادیان تحریک کو اپنے مطلب کے موافق سمجھے اور سیاست داں ان کی تائید کرتے تھے، چنانچہ چند سال ہوئے، حال ہی کا مشہور تاریخی واقعہ ہے کہ

[لہ] جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے۔ واقعی سرکار کی خوشنودی حاصل کرنے کا یہ بھی ایک مجرب نسخہ تھا۔ اس کے بعد رئیسوں کو، جاگیرداروں کو اور بالآخر نوجوان تعلیم یافتہ جو تلاش معاش اور حصول ملازمت پر مجبور تھے ان کو بھی قادیانیت میں کاربراری اور کامیابی کا راستہ سہل اور قریب نظر آیا۔ چنانچہ وہ بھی اس راستہ پر پڑ لئے ورنہ نفس دین سے ان کو جو دلچسپی ہو سکتی ہے معلوم ہے۔ خدانخواستہ سب پر یا اکثر پر تو نہیں، البتہ بہت سی کمزور طبیعتوں پر یہی دور گزر گیا۔ اللہ تعالیٰ پھر ہدایت فرمائے۔

[لے] ایسے تاجر جن کے سرکار سے کاروباری معاملات رہتے ہیں۔

[شلہ] آخر میں قطبوں اور ولیوں اور غوثوں کی اولاد کا مبالغہ بلکہ غلط بیانی ظاہر ہے۔

آنزیبل پنڈت جواہر لال نہرو بالمقابلہ نے قادیانیت کی تائید کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اور ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ سے بحث تک نوبت آئی۔ یہ بحثیں رسالوں اور اخباروں میں شائع ہو چکی ہیں۔ یہاں ان کی گنجائش نہیں۔

قادیانی صاحبان پنڈت جی کی اس حمایت اور طرفداری سے بہت خوش ہو گئے اور جب پنڈت جی ۲۹ رمئی ۱۹۳۶ء کو لاہور تشریف لائے تو قادیانی صاحبان نے دل کھول کر گرمجوشی سے ان کا اسٹیشن پر استقبال کیا چنانچہ ذیل میں مختصر کیفیت قابل ملاحظہ ہے۔

والی کوششوں کو ملیامیٹ کرنے کے لئے دشمنانِ اسلام نے بابی اور بہائی مذہب پیدا کئے اور اب کانگریس اس غرض سے قادیانی یا محمودی مذہب کی پیٹھ ٹھونک رہی ہے۔ مگر مسلمان جب تک ارضِ حرم کے اندر ہے، زندہ ہے، جب بھی وہ اس سے باہر قدم رکھے گا وہ دشمنانِ اسلام کا شکار ہو جائے گا۔

از حریم کعبہ چوں آہو رمید ناوک صیاد پہلویش درید

قادیان کو ارضِ حرم بنا کر، مکہ معظمہ کی چھاتیوں کے دودھ کو خشک بنا کر، مسلمانوں کو تکفیر کی چھری سے ذبح کر کے کوئی شخص اسلام کی خدمت نہیں کر سکتا۔ بلکہ ساری باتیں دشمنانِ اسلام کی عین خواہش اور انتہائی تمنا ہیں۔ جسطرح یہود نے بیت المقدس سے منہ موڑ کر سماریہ کو قبلہ بنایا اور برباد ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔ اسی طرح کوئی مسلمان بھی ارضِ حرم کے مقابل قادیان کو قبلہ بنا کر نہ صرف عزت حاصل نہیں کر سکتا۔ بلکہ زندہ بھی نہیں رہ سکتا، یہی وجہ ہے کہ قادیان کی ان خانہ بر انداز کوششوں میں ہندو اور کانگریس برابر کا حصہ لے رہے ہیں۔ مسجد نبوی کے مقابل ایک اور مسجد ضرار کی تعمیر میں مدد معاون و مددگار ہو رہے ہیں۔ ڈاکٹر شنکر داس نے اخبار بندے ماترم میں لکھا:

ہندوستانی قوم پرستوں کو اگر کوئی امید کی شعاع دکھائی دیتی ہے تو وہ احمدیت کی تحریک ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمان جس قدر احمدیت کیطرف راغب ہوں گے۔ اسی طرح قادیان کو مکہ تصور کرنے لگیں گے۔ اور آخر کار قوم پرست بن جائیں گے۔ مسلمانوں میں، اگر کوئی عربی تہذیب اور پان اسلامزم کا خاتمہ کر سکتی ہے۔ تو وہ یہی احمدی تحریک ہے۔ (جس سے ڈاکٹر کی مراد موجودہ محمودی تحریک ہے۔)

جس طرح ایک ہندو کے مسلمان بن جانے پر اسکی شردھا (عقیدت) رام کرشن، گیتا اور رامائن سے الٹھ کر حضرت محمدؐ صاحب قرآن مجید اور عرب کی بھومی (ارضِ حرم) پر منتقل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح

ف۱۹ سچ پوچھئے تو یہ لاہوری جماعت کی تاویل ہے، ورنہ ڈاکٹر صاحب کی صراحت پوری قادیانیت پر چسپاں ہوتی ہے۔

جب کوئی مسلمان احمدی (محمودی) بن جاتا ہے تو اس کا زاویہ نگاہ بھی بدل جاتا ہے۔ حضرت محمدؐ میں اسکی عقیدت کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور جہاں پہلے اس کی خلافت عرب میں تھی اب وہ قادیان میں آ جاتی ہے۔ ایک احمدی خواہ وہ دنیا کے کسی گوشہ میں بھی ہو روحانی شکتی حاصل کرنے کے لئے وہ اپنا منہ قادیان کیطرف کرتا ہے۔ (اخبار بندے ماترم) پس کانگریس اور ہندو دنیا مسلمانوں سے کم ازکم جو کچھ چاہتی ہے وہ یہ ہے کہ اس ملک کا مسلمان اگر ہر دوار نہیں تو قادیان کی جاترا (زیارت) کرے[۲۰]

ہندو اخبارات اور پولیٹیکل لیڈروں کے یہ خیالات ہندوستان کے مسلمانوں کو وضاحت سے بتا رہے ہیں کہ گذشتہ دنوں قادیانی ہٹلر[۲۱] اور کانگریس کے جواہر[۲۲] میں جو چھپنا چھپٹوں ہو رہی تھی[۲۳] وہ اس سمجھوتہ کی بنا پر تھی کہ محمود (خلیفہ صاحب قادیان) مسلمانوں کی اس قوت کو توڑنے کیلئے کیا کرے گا۔ اور کانگرس اس کے معاوضے میں کیا دے گی۔

قادیانی جماعت لاہور کا اخبار پیغام صلح لاہور

جلد ۲۷، ۶۹ مورخہ ۲۱ فروری ۱۹۴۵ء

---

[۲۰] گویا ہندوستان کے باہر حرمین شریفین کے ساتھ عقیدت کا تعلق نہ رہے۔
[۲۱] یعنی میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیانی آنجہانی۔
[۲۲] آنریبل پنڈت جواہر لال نہرو آنجہانی۔
[۲۳] یعنی سرگوشی ہو رہی تھی۔
[۲۴] کیا چکر تھا۔ نعوذ باللہ۔

میری علمی و مطالعاتی زندگی ــــ سلسلہ ۱۳

حضرت مولانا محمد اشرف صاحب صدر شعبہ عربی
اسلامیہ کالج پشاور

عربی ادب ادب عربی کے کوچہ سے ادنیٰ شناسائی اپنے استاذ الدکتور محسن الحسینی الاسکندری المصری (سابق صدر شعبہ عربی پشاور یونیورسٹی) کے شرف تلمذ کا صدقہ ہے۔ خاکسار نے ان سے عربی نحو و بلاغت میں بعض کتب۔ نقد النثر۔ نقد الشعر الوساطہ بین المتنبی وخصوماتہ الموازنہ بین ابی تمام والبحتری کاملاً اور الذخیرہ فی محاسن اہل الجزیرہ کتاب البخلاء للجاحظ اور دیوان متنبی کا کچھ حصہ اور جدید ادب کی بعض کتابیں پڑھیں۔ استاذی الحسینی صاحب کا ادب کا ذوق بہت پختہ تھا۔ "نقد" کی کتابیں خوب شوق سے پڑھاتے تھے۔ ان کی شاگردی کی برکت تھی کہ جامعہ پشاور میں نقد کی کتابیں کئی سال تک پڑھاتا رہا۔ استاذ مرحوم زیر درس کتابوں کے علاوہ اس فن کی دیگر کتابوں کی نشان دہی اور ان کا مطالعہ بھی طلبہ سے کراتے رہتے تھے۔ جاحظ کی کتابوں میں البخلاء کے علاوہ کتاب البیان والتبیین (جو بقول شبلی نثر کا حماسہ ہے) سے استفادہ کیا۔ ابن الاثیر کی المثل السائر۔ ابن رشیق کی کتاب العمدہ۔ ابن مقفع کی الکلیلۃ والدمنۃ الجرجانی کی اسرار البلاغۃ مختارات اوّل و دوم (ابو الحسن علی الندوی) نیز کی محسن کتابوں میں سے ہیں۔ الاغانی کے کچھ حصے۔ النثر الفنی۔ الشعر الفنی۔ الادب الفنی فی القرآن الرائع مقامات الحریری و مقامات بدیع الزمان ہمذانی اور دیگر کئی کتابوں سے فائدہ اٹھایا۔ طٰہٰ حسین کے ذہن میں گو الحاد ہے۔ تاہم اپنے اسلوب میں سلاست و اطناب کا بادشاہ ہے۔ ان کی کئی کتابیں پڑھیں۔ امیر شکیب ارسلان۔ مخدومی ابو الحسن علی الندوی۔ الطنطاوی وغیرہ کی کتابوں سے استفادہ کیا۔ تاریخ ادب میں جرجی زیدان کی الاداب اللغۃ العربیہ (چار جلدیں) اسکندرانی کی الوسیط حسن الزیات کی تاریخ ادب العربی اور حنا الفاخوری وغیرہ کی کتابیں مطالعہ سے گذریں۔ ادبی تاریخ کا ایک فائدہ یہ ہوتا

ہے کہ انسان کو ہر دور کے ادیبوں اور شاعروں سے ایک گونہ واقفیت۔ ان کے زمانہ کے رنگ و مزاج اور ادبی تغیرات کا پتہ چل جاتا ہے۔ عیسائی اور مستشرق ادب میں بھی اپنے تبلیغ اور مقصودہ مفادات کی رعایت سے باز نہیں آتے۔ چنانچہ جرجی زیدان اور حنا الفاخوری نکلسن وغیرہ کی کتابیں اس پر شاہد ہیں۔ دینی لٹریچر کے بارے میں عموماً ان کی آرار جانبدارانہ اور مسموم ہوتی ہیں۔ اس لئے ان پر دینی ادب اور علوم کے بارے میں اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم پختہ اذہان کے لئے ان کا محتاط مطالعہ فائدہ سے خالی نہیں ـــــ

نظم میں مختلف شعراء کے دواوین کے علاوہ الجمہرۃ الاشعار العرب۔ المعلقات السبع۔ الحماسہ لابی تمام دیوان المتنبی وغیرہ میرے شعری مطالعہ کا اثاثہ رہا۔ دیوان المتنبی پر گو العکبری کی شرح مستند عمیق اور عمدہ ہے۔ تاہم البرقوقی کی جدید شرح مبتدی طلبہ کے لئے زیادہ مفید و سہل ہے۔ دیوان ابی تمام میں بعض مقامات پر گو تعقید و غموض ہے لیکن غریب لغات و مشکل و ثقیل الفاظ کی معرفت اس سے اچھی ہو جاتی ہے۔

اردو ادب | گذر چکا ہے کہ ۱۹۴۱ء میری علمی زندگی میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اسی سال اردو ادب کے اساطین کی کتابوں کی ابتدا ہوئی۔ اور رفتہ رفتہ اردو کی "کتب قیمہ" کا ایک اچھا ذخیرہ نگاہوں سے گذر گیا۔ مکتوبات غالب کی "عود ہندی[۱]" میں لپٹی ہوئی "اردوئے معلی[۲]" کی شیریں و پاکیزہ روزمرہ میں سہل ممتنع کا حکم رکھتی ہے۔

حالی کی کتابیں سنجیدہ و معیاری، شریفانہ ادب اور پر اثر و سادہ انشاء کا نمونہ ہیں۔ حیات سعدی یادگار غالب اور مقدمہ شعر و شاعری و حیات جاوید لفظ لفظ پڑھیں۔ حالی کی ادبی تنقید۔ سوانح نگاری اور اپنے ہیرو سے "وفاداری" کا نقش ذہن نے قبول کیا۔

سرسید مرحوم کی آثار الصنادید۔ مضامین اور تفسیر القرآن کے بعض اجزاء نظر سے گذرے۔ آثار الصنادید مفید کتاب ہے۔ سرسید کے مذہبی نظریات بحمد اللہ متاثر نہ کر سکے۔ نیچریت وحقیقت سے بعید تر تاویلات (جن کے ڈانڈے تحریف سے مل جاتے ہیں۔) اور مغرب کی ذہنی مرعوبیت سے طبیعت نفور رہی[۳]۔

---

[۱] [۲] غالب کے مکتوبات ان دو ناموں سے بھی شائع ہوئے ہیں۔

[۳] سرسید مرحوم (اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے) مسلمانوں کی محبت، قومی درد و خلوص کے باوجود امت کے صحیح مرض، علاج کی تشخیص و تجویز نہ کر سکے۔ اور ان کی مساعی کی وجہ سے اسلامیان ہند و پاک

سحر بیان محمد حسین آزاد کے دربار اکبری کی افسوں نگاری، نیرنگ خیال کی نیرنگیاں، قصص الہند کی افسانہ گوئی۔ اور سخن دان فارس کی سخن طرازیاں دیدۂ و گوش کو مسحور کرتی رہیں۔ لیکن سب سے بڑھ کر آب حیات کی ساحرانہ تراوش نے ان کے طرز نگارش کا قائل کر دیا۔ آب حیات نثر میں شعر اور الفاظ میں سحر ہے۔ اور اردو ادب عالیہ میں لافانی مقام رکھتی ہے۔ کاش اس کی تاریخیت مخدوش نہ ہوتی۔ اردو شعرا کے تذکروں و تاریخ میں گل رعنا (حکیم مولانا عبدالحی[1]) کا ایک خاص مقام ہے۔ زبان کی شیرینی و سلاست سنجیدگی اور ثقاہت کے ساتھ تاریخی استناد و معتدل انتقاد اور منصفانہ تقریظات نے کتاب کو ادب اردو میں ایک اونچی جگہ بخش دی ہے۔ گل رعنا کے مطالعہ سے آب حیات کی تاریخی حیثیت گو مجروح ہو گئی تاہم اسکی ادبی قدر و منزلت سالم و باقی رہی۔

اردو شعر و ادب کی تاریخ میں شعر الہند (عبدالسلام ندوی) اردو اصناف شاعری اور اس کے مختلف ادوار پر قابل قدر محققانہ تبصرہ و تقریظ ہے۔ تاریخ ادب اردو (عسکری) غالباً اردو نثر و شعر کی واحد مبسوط معیاری تاریخ ہے۔ مترجم (مرزا محمد عسکری) کا کمال ہے کہ کتاب طبع زاد معلوم

نے ایک ایسے نظام تعلیم کو قبول کر لیا جس سے کسی حد تک گو وقتی معاشی مفادات وابستہ تھے۔ لیکن حقیقتاً وہ مزاج امت کے منافی تھا۔ اور اس میں امراض امت کا مداوا نہ تھا۔ اقبال نے اس حقیقت کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے ؎

رہبر کے ایما سے ہوا تعلیم کا سودا مجھے لیکن نگاہ نکتہ بیں دیکھے زبوں بختی مری

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد

کیا قیامت ہے کہ ایک چوتھائی صدی گذر جانے پر بھی پاکستان اس فرسودہ نظام تعلیم اور تقویم پارینہ سے اپنا دامن نہ چھڑا سکا۔ اور اس قدیم صد چاک "قبا" پر پیوند پر پیوند لگا رہا ہے۔

[1] مولانا حکیم عبدالحیؒ (سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ) بقول حضرت سید سلیمان ندوی ہندوستان کے ابن خلکان و ابن ندیم تھے۔ ان کی آٹھ مجلدات میں ضخیم تصنیف نزہۃ الخواطر بر ہندو پاک کے اعیان و فضلا کا بے مثل و نادر (عربی میں) تذکرہ ہے۔ یہ کتاب اور ثقافۃ الہند، الہند فی عہد الاسلامی یاد ایام اور دیگر تصنیفات ان کی فضیلت پر شاہد عدل ہیں۔ ان کا مبسوط تذکرہ "تذکرہ عبدالحیؒ" کے نام سے ان کے مایہ ناز فرزند رشید مخدومی مولانا ابوالحسن علی الندوی مدظلہ نے لکھا ہے۔ ان کا خاندان "ایں خانہ ہمہ آفتاب است" کا مصداق ہے۔

[2] آج زمانہ کا رنگ بدل گیا ہماری قدیم "تنقید و تحقیق" کے معیار آج فرسودہ گردانے جا رہے ہیں

ہوتی ہے اور ترجمہ[1] کا گمان تک نہیں ہوتا۔ تاریخ ادب میں جدید اردو شاعری وغیرہ کئی دوسری کتابیں بھی نظر سے گذریں۔

صاحب طرز انشاپرداز مہدی الافادی کی افادات مہدی کے مضامین اردو ادب عالیہ میں اونچا درجہ رکھتے ہیں۔ مہدی کا طرز تحریر شبلی و محمد حسین آزاد کے اسالیب کا آمیزہ۔ دلکش اور پر اثر ہے۔ بندہ اس کے اسلوب سے بہت متاثر ہوا۔ نذیر احمد کی بنات النعش۔ مرآۃ العروس اور توبۃ النصوح بچپن میں پڑھ چکا تھا۔ ابن الوقت رویائے صادقہ اور ترجمۂ[2] قرآنی بعد میں نظر سے گذرا۔

شبلی | شبلی کی سیرت النبی اور الفاروق والدہ محترمہ کے کتب خانہ میں تھی۔ الفاروق پڑھی۔ شبلی کی تحقیق و تاریخ نگاری نے مسحور کر لیا۔ الفاروق شبلی کا بڑا کارنامہ ہے۔ جس نے بہت سے مغرب زدہ اذہان کو اسلامی عدل و نظریہ سیاست کی فوقیت کا قائل کر دیا۔ کاش وقتی تقاضوں کے مداوا کے ساتھ مولانا مرحوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دینی و روحانی مزایا و کمالات کو بھی پورا اجاگر کر دیتے۔ تو کتاب کی افادیت مزید بڑھ جاتی۔ تاہم جو ہے تاریخی لٹریچر کا قابل فخر سرمایہ ہے۔

الفاروق کے مطالعہ نے شبلی کی عظمت و محبت پیدا کر دی اور شبلی کی ایک ایک کتاب و مقالہ مزہ لے لے کر پڑھتا رہا۔ المامون، الغزالی، الکلام الجزیہ۔ موازنہ انیس و دبیر شعر العجم مقالات (آٹھ جلدیں) نظر سے گذریں۔ تاریخ و ادبیت و علم کا ایک عظیم مجسمہ شبلی دل و دماغ پر چھا گیا۔ اور ان کی علمی و تحقیقی فتوحات نے اس وقت تک کے دیگر تمام نقوش ماند کر دئے۔ شعر العجم جو ان کی ادبی کتابوں میں

ہیں اور "مشرقی ادب" کو "مغربی پیمانوں" سے جانچا جا رہا ہے۔ کیا ستم ظریفی ہے۔ کہ زبان و معاشرت و ثقافت کے تمام اختلافات کو نظر انداز کر کے جو مغرب میں ہے اسے مشرق میں دکھانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اور جو ان کے "نزدیک ان کے معیار پر پورا نہیں اترتا اسے "ہدف ملامت" بنا دیا جاتا ہے۔ گو وہ خود ہی کہتے ہیں۔ مشرق مشرق ہے۔ اور مغرب مغرب۔ نہ وہ کبھی ملے ہیں نہ ملیں گے۔ لیکن واحسرتا ذہنی شکست کہاں پہنچا دیتی ہے۔ اناللہ۔

[1] اصل کتاب انگریزی میں رام بابو سکسینہ کی تالیف ہے۔

[2] ترجمہ نذیر احمد کی اغلاط حضرت تھانویؒ اصلاح ترجمہ دہلویہ کے نام سے شائع فرمائی ہیں۔

شاہکار ہے۔ میرے ادبی ذوق کو جلا بخشتی رہی۔ اور ان کی دیگر کتابوں سے اپنی علمی پیاس بجھاتا رہا۔
سیرت النبی (اوّل و دوم) برسوں سونے سے پہلے کچھ نہ کچھ پڑھ کر سوتا تھا۔ مجھ پر شبلی کا سب سے
بڑا احسان ہے کہ ان کی سیرت النبی نے سیرت سے شغف بخشا اور اسی مطالعہ سیرت کے سلسلہ میں
جب سیرۃ النبی (جلد چہارم) کی "صفات الٰہیہ" کی بحث پر پہنچا۔ تو قلب و دماغ شدت تاثیر سے
دگرگوں تھے۔ اور اسی کا اثر تھا کہ آخرش سیرت نگار نبوی جانشین شبلی اپنے شیخ قیم و مربی اوّل حضرت
سید الملت علامہ سید سلیمان ندوی نور اللہ مرقدہ کو غائبانہ اپنا دل دے بیٹھا۔

اتانی هواها قبل ان اعرف الهوی فصادف قلباً خالیاً فتمکنا

میری ساری عمر کا حاصل وہ تیری اک نظر
جس نے دنیا بھی بدل دی عشق کی میرے لئے

گویا شبلی مرحوم حضرت سید سلیمان ندویؒ کی بارگاہ تک رسائی کا سبب اوّل بنے۔ ان کی
سیرت نہ ہوتی تو فقیر کوچہ سلیمانی کی گرد کو سرمۂ چشم نہ بنا سکتا۔ فجزاهما اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔
حضرۃ الشیخ قدس سرہ کے در سے کیا ملا۔ یہ الگ داستان ہے جس کا یہ مجالہ متحمل نہیں ہو سکتا۔
گو جی چاہتا ہے۔

باز گو از نجد و از یاران نجد تا در و دیوار را آری بوجد

سیرت النبیؐ علامہ شبلی و حضرت سید سلیمان ندویؒ کی سیرت النبی[1] میرے آقا سید دو عالم
فخر الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح و تعلیمات کا دائرۃ المعارف ہے۔ اور سیرت پر
اپنی نوعیت کی پہلی اور آخری کتاب ہے جس کی نظیر پورے اسلامی کتب خانہ میں نہیں ملتی۔ شبلی و حضرت
سلیمان ندوی پر اللہ تعالیٰ کا احسان خاص تھا۔ کہ ان سے یہ کام لے لیا گیا[2]۔ سیرت نبویہ کے اس خزانہ سے

---

[1] بشری لغزشوں سے کون بری ہے۔ چند مقامات سے دیانتاً اختلاف ہو سکتا ہے۔ لیکن
اس سے کتاب کی مجموعی ثقاہت و استناد پر اثر نہیں پڑتا۔

[2] یہ لطیفہ سن کر شاید تعجب کیا جائے کہ فقیر کا اصلاح کا تعلق ۱۹۴۳ء سے حضرت سید سلیمان
ندویؒ سے خط و کتابت کے ذریعہ قائم ہو گیا تھا۔ جو حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے مجاز بیعت و خلیفہ تھے
لیکن ۱۹۵۰ء میں جب حضرت سید صاحبؒ کی خدمت میں حاضری ہوئی تو حضرت کے استفسار پر کہ
حضرت تھانوی کے مواعظ و ملفوظات و دیگر سلوک کی کتابیں پڑھی ہیں۔ تو عرض کیا بندہ اسی بارہ میں بھی
"سیرت" کی جلدوں سے استفادہ کرتا رہا ہے۔ متواضع شیخ نے فرمایا "حضرت تھانوی کی کتابیں پڑھئے

اپنی استعداد و ظرف کے بقدر استفادہ کی کوشش کرتا رہا۔ اور یہ بات برملا کہہ سکتا ہوں کہ فقیر کی زندگی میں یہ کتاب مستطاب جس قدر دخیل رہی شاید ہی کوئی کتاب اتنی موثر رہی ہو۔[۱]

سلسلہ سیرت میں حضرت سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مختصر کتاب "خطبات مدراس"[۲] سیرت کے دفاتر اور بعض ضخیم مجلدات سیرت پر بھاری ہے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام (روحی فداہ) صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کی دلیل۔ نبوت محمدی پر شاہد عدل۔ ہر جدید و قدیم پڑھے لکھے کے مطالعہ کے لائق اپنے طرز استدلال و پیشکش میں اچھوتی اور دلکش ہے۔ سیرت پر مختصر کتابوں میں خطبات مدراس اور النبی الخاتم (سید مناظر احسن گیلانی) نشر الطیب (حضرت تھانوی) سے زیادہ (اپنے اپنے رنگ میں) موثر عظیم۔ جامع۔ دلکش اور البیلی کتابیں فقیر کی نظر سے نہیں گذریں۔ رحمت عالم (حضرۃ سلیمان ندوی) اور اوجز السیر بھی اپنی خاص تاثیر رکھتی ہیں۔ اور عام طلبہ کے لئے مفید اور دلچسپ ہیں۔ مولانا سلیمان منصور پوری کی رحمۃ للعالمین سیرت کے ذخیرہ میں ایک اچھا اضافہ اور بعض تحقیقات و مباحث میں منفرد ہے۔ حضرت مفتی شفیع صاحب کی خاتم الانبیاء اور مولانا عبدالماجد دریا بادی کی سیرت قرآنی[۳]

وہاں ہر چیز اندر سے پھوٹ کر نکلی ہے" غرض سلوک کی راہ اور حضرت تھانویؒ سے عقیدت بھی سیرت ہی کا فیض ہے۔

[۱] سیرت النبی کا متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ پشتو اکیڈمی کے زیر نگرانی مولانا محمد اسرائیل صاحب نے پوری چھ جلدوں کا ترجمہ کر لیا ہے، جس میں سے صرف ایک جلد طبع ہو گئی ہے۔ کاش! صوبائی حکومت و جامعہ پشاور اس کی اشاعت کی سبیل کر سکے۔ دوسری صورت پشتو جاننے والے مخیر حضرات کی اعانت بھی ہو سکتی ہے۔

[۲] کتاب عربی و انگریزی میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ خطبات مدارس میں ۱۹۲۵ء میں پہلی مرتبہ یہ حقیقت واضح و ثابت کی گئی کہ احادیث مبارکہ کا ایک کثیر حصہ صحابہ کرام خود تحریراً قلمبند فرما چکے تھے۔ "پرویزی حیلہ گردن" کی ابلہ فریبیاں اور دسیسہ کاریاں فیوض نبویہ سے امت کو محروم کرنے کے لئے ہزار دھول اڑاتی رہیں۔ حقیقت نبوت کا شمس بازغہ اپنی نورانیت سے ان شاء اللہ قیامت تک امت کے دلوں کو روشن کرتا رہے گا۔

[۳] یہ کتاب حضرت موصوف کے خطبات سیرت ہیں جو مدارس ہی میں دئے گئے اپنی طرز میں اچھوتی کتاب ہے۔

بھی خوب ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب[1] کی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی اپنے طرز میں خوب ہے۔

عربی ذخیرہ سیرت میں علامہ ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ کی پہلی چھ جلدیں (نصف اول کو چھوڑ کر) سیرت النبی پر مشتمل ہیں۔ بحمد اللہ مدتوں مطالعہ میں رہی اور بھرپور استفادہ بقدر ظرف کرتا رہا۔ حافظ نے سیرت طیبہ کے دفاتر کو کھنگال لیا ہے۔ اور حیاۃ نبویہ کا مبسوط تذکرہ امت کے سامنے پیش کر دیا ہے جس کا مطالعہ عربی دان طبقہ کے لئے مفید ہے۔ چھٹی جلد روایات معجزات پر ہے۔ اور قابل دید ہے۔ البدایہ والنہایہ میں ابن کثیر ایک عظیم مؤرخ۔ بصیر محدث۔ دقیقہ رس محقق و ناقد کی حیثیت سے ظاہر ہوتے ہیں۔ حافظ موصوف کی صرف یہی کتاب ان کی جلالت شان اور وفور علمی پر دلالت کے لئے کافی ہے۔ سیرت ابن ھشام (عربی) موجود کتب سیر میں مقدم اور ام الکتب[2] ہے۔ جس سے کوئی شائق سیرت بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ کتاب عصر رسالت کی عکاس ہے۔ ابن ھشام کی حقیقت نگاری دخلوص دل پر اثر کرتا ہے۔

علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں سیرت نبوی کا قدآدم آئینہ امت کے لئے مرتب کر دیا ہے۔ یہ کتاب نہ صرف سیرت و وقائع محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ) کی امین و رہنما ہے۔ بلکہ سیرت آموز وسیرت ساز بھی ہے۔ زندگی کے ہر گوشہ میں اسوۂ نبوت کو نمایاں اور اجاگر کر دیا ہے۔ کہ جادۂ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے راہی ہر قدم پر نقش رسالت کی گرد کو سرمۂ چشم بنا سکیں۔ اور مشعل ہدایت

---

[1] ڈاکٹر حمید اللہ حیدر آبادی ثم فرانساوی (مقیم پیرس) شہرۂ آفاق محقق اور متعدد زبانوں میں بلند پایہ محققانہ کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی اردو، عربی، انگریزی کتابوں سے خوب استفادہ کیا۔ صحیفہ ابن ہمام الوثائق السیاسیۃ النبویہ۔ INTRODUCTION TO ISLAM - MUSLIM CONDUCT OF STATE، ISLAMIC JURISPURDANCE نبی انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میدان جنگ، عہد نبوی کا نظام تعلیم، مؤقر جرائد میں ان کے مقالات خاصہ کی چیزیں ہیں۔ ڈاکٹر موصوف نے فرانسیسی میں قرآن کریم کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ اور سیرت النبی (دو جلدوں) میں لکھی ہے۔ باوجود ایک عظیم محقق وعلمی شخصیت ہونے کے انتہائی متواضع، ملنسار اور صورت ولباس میں مشرقی و دینی طرز کے پابند ہیں۔ فقیر نے انہیں حضرت سید صاحبؒ کی ایک مجلس میں دیکھا۔ جب وہ تعلیمات اسلامی بورڈ سے استعفیٰ دے کر فرانس جانے والے تھے۔

[2] بعض کتب سیر اس سے پہلے بھی لکھی گئی لیکن متداول اور موجودہ کتاب میں اولیت کا شرف اسی کو حاصل ہے گویہ خود ابن اسحٰق کی سیرت کی تکمیل شدہ صورت ہے۔

کی ضو فشانیاں ان کے ظاہر و باطن کو روشن کرتی رہیں۔

...... لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ " ایک قرآنی حقیقت ہے جس پر عمل سیرت مبارکہ کے تفصیلی مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے۔ الحمد للہ علماء امت (ابن اسحق۔ زرقانی سہیلی قسطلانی وقاضی عیاض سے لے کر اس وقت تک کے محقق و محتاط سیرت نگاروں نے اس فریضہ کو کمال خوبی سے ادا کیا ہے اور ہر زبان میں سیرت پر بڑی چھوٹی اور منجھولی کتابیں مہیا فرما کر حضور انور نبی الانبیاء سید الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال جہاں آراء سے عالم کو روشنی بخشی ہے۔ سعادت مند و خوش نصیب ہیں۔ وہ حضرات جو اس قدسی الصفات ذات گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے پرتو سے اپنے کاشانۂ زندگی کو منور کر سکے۔

سیرت النبی (شبلی و سلیمان ندوی) کے ضمن میں سیرت پر یہ چند باتیں زبان قلم پر آگئیں۔ بات اردو کے مصنفین اور کتابوں پر چل رہی تھی۔ بحمد اللہ تعالیٰ اردو اساطین ادب کی کتب قیمہ ایک ایک کر کے پڑھیں اور اردو کلاسیکی لٹریچر کا خوب مطالعہ کیا۔ دل و دماغ بقدر ظرف مستفید ہوتا رہا۔

جادو بیان محمد حسین آزاد اور سحر طراز ابو الکلام آزاد[1] دونوں اپنے خاص طرز انشاء کے بادشاہ موجد و خاتم ہیں۔ دونوں کا طرز نگارش دل کو لبھاتا رہا۔ تاہم اقلیم دل پر شبلی کے قلم کا سکہ جم چکا تھا۔ اور "شبلی الانشاء" نے دیگر نقشوں کو ماند کر دیا تھا۔ چنانچہ شبلی اور ان کے تلامذہ اور منتسبین کی کتابیں اوڑھنا بچھونا بن گئیں دار المصنفین اعظم گڑھ (جسے جانشین شبلی سید الملۃ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی نے برصغیر میں اسلامی علم و دانش کا حقیقی اعظم گڑھ بنا دیا تھا۔) کی کونسی کتاب ہے جو نظر سے نہ گذری ہو۔ اردو کے سید المصنفین سلیمان اعظم (علامہ ندوی) کی کتابیں، تو خیر علم و ادب کا معیار اور تحقیق و دانش کا نمونہ ہیں ہی۔ میرے لئے شبلی اکاڈمی کی ہر کتاب حسن صوری و معنوی کا مجموعہ اور علم و حکمت کا خزینہ تھی۔

سیر الصحابہ | دار المصنفین کی کتابوں میں سیرت النبی کے بعد سیر الصحابہ کی ضخیم مجلدات کا میری ذہنی ساخت پر گہرا اثر رہا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پاک ہستیاں انبیاء علیہم السلام کے بعد انسانیت کا خلاصہ رشد و ہدایت کا مینار اور خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و عمل کی حامل داعین و داعی اور ان کی زندگی کی شاہد و گواہ ہیں، صحابہ کرام کی زوات عالیہ حقیقتاً اسلام

---

[1] ابو الکلام آزاد مرحوم کے البلاغ کے مضامین تذکرہ۔ ترجمان القرآن و باقیات آزاد (مولانا غلام رسول مہر) سے لے کر ان کی انشاء کے آخری و جدید نمونوں غبار خاطر و کاروان خیال تک مسلسل مطالعہ میں رہے ہے۔ کیا زبان پائی تھی۔ "ان من البیان لسحرا" کا نمونہ و ثبوت۔

کی برتری و حقانیت کا ثبوت ہیں جن کی فضیلت پر نصوص قرآنیہ وارشادات نبویہ کافی ہیں۔ امت ہر دور میں ان کے اسوہ اور نمونہ کی محتاج رہی ہے۔ حضرت سید سلیمان ندوی رح نے اسوۂ صحابہ کی اہمیت وضرورت

۱؎ حضرت الاستاذ علامہ محمد یوسف البنوری مدظلہ نے عقبات کے مقدمہ میں خوب کہا ہے:

اذا قلنا لرجل انہ صحابی او انہ صحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فناھیک بہ مزیۃ و فضیلۃ فی قوۃ ایمانہ وشدۃ یقینہ وکمال اخلاصہ وعمق علمہ وحسن عملہ وجہاد فی سبیلہ وایثار لما عند اللہ وزھد فی الدنیا فکاننا اثبتنا کل کمال وجمال وکل فضل ونبل فاذن ذلک ابلغ تعبیر واوجزہ لاثبات فضل وکمال۔ قال سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ذلک الصحابی الجلیل الذی قال فیہ سیدنا الفاروق رضی اللہ عنہ: کنیف ملئی علما وتفقہا فی اصحابہ سیدنا الرسول صلی اللہ علیہ وسلم اولئک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کانوا افضل ھذہ الامۃ ابرھا قلوبا واعمقہا علما واقلہا تکلفا (الی ان قال فاعرفوا لہم فضلہم الخ۔ عقبات ص۲) اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم ولاقامۃ دینہ فاعرفوا لہم	جب ہم کسی شخص کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ وہ صحابی ہے یا اس نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے۔ تو صحابہ کی قوت ایمان۔ شدت یقین۔ کمال اخلاص علمی گہراؤ۔ حسن عمل۔ جہاد اور اللہ تعالیٰ کی مرغوب چیزوں کی ترجیح اور دنیا سے بے رغبتی میں فضیلت و کمال سمجھنے کے لئے یہ لفظ (صحابی) تیرے لئے کافی ہے۔ گویا (جب ہم کسی شخص کو صحابی یا اس کے لئے صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کرتے ہیں۔) تو اس شخص کے لئے ہم ہر کمال وحسن۔ فضیلت و شرافت کو ثابت کر دیتے ہیں (کہ لفظ صحابی میں یہ سب کچھ موجود ہے) اس طرح صحابی کے لفظ کا استعمال فضل و کمال کے ثابت کرنے کے لئے بلیغ ترین اور موجز ترین تعبیر ہے۔ صحابی جلیل سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ (جن کے بارے میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ علم وفقہ سے بھر لپور تھیلی ہیں) ان کا ارشاد ہے۔ وہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس امت میں سب سے افضل تھے، جن کے دل سب سے پاکیزہ جن کا علم سب سے گہرا

کے پیش نظر اردو میں احوال صحابہ کا ایک پاکیزہ و مستند ذخیرہ گیارہ جلدوں میں امت کے سامنے اپنے رفقاء سے لکھوا کر پیش کرا دیا۔ جو سلجھی ہوئی زبان میں تاریخ و سوانح نگاری کی جدید خوبیوں کے ساتھ علم و عمل کی ایک اچھی دعوت ہے۔ سیر الصحابہ کے سلسلے کے بعد سیرت ساز کتابوں میں تابعین و تبع تابعین کے مجموعے بھی خوب ہیں۔ جو دار المصنفین کی حسنات میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔ سیر الصحابہ کی تدوین میں دار المصنفین کو اردو زبان میں سبقت الی الخیر کا شرف حاصل ہے۔ اردو میں حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب مدظلہ کی مقبول ترین تالیف "حکایات[1] صحابہ" جو "بہشتی زیور" کی طرح گھر گھر پھیل چکی ہے اپنی تاثیر و سہولت میں لاجواب ہے۔

امت نے صحابہ کی زندگی و سیرت کے جاننے کے لئے ہر زمانہ میں اہتمام کیا ہے۔ چنانچہ عربی میں طبقات و رجال و سیر کے دفاتر صحابہ کے احوال سے پر ہیں۔ متعدد کتابیں خاص صحابہ کے حالات میں لکھی گئیں جن میں زیادہ متداول اور مقبول اصابہ اسد الغابہ اور استیعاب ابن عبد البر وغیرہ ہیں۔ علامہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں وفیات کے ضمن میں التزاماً صحابہ کے حالات جمع کئے ہیں۔ مخدومنا حضرت علامہ محمد یوسف الکاندھلوی کی حیاۃ الصحابہ (تین ضخیم جلدوں میں) صحابہ کی زندگی کا اچھوتا و مستند و عمدہ مجموعہ ہے۔ جو داعیانہ ذہن کا عکاس اور محدثانہ طرز کی پیشکش ہے۔ اور قوت تاثیر و افادیت میں اپنی مثال آپ[2] ہے عربی جاننے والوں کے لئے صحابہ کی زندگی سے آگہی اور اثر پذیری کے لئے محولہ بالا کتب کا مطالعہ مفید بلکہ ناگزیر ہے۔

فضلهم واتبعوهم على اثرهم وتمسكوا بما استطعتم من اخلاقهم وسيرهم فانهم كانوا على الهدى المستقيم۔ (جمع الفوائد ص۲۶ جلد۲)	جو سب سے کم تکلف کرنے والے تھے۔ (اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لئے چنا تھا۔ تاکہ وہ ان کے دین کو قائم کریں۔ پس ان کی فضیلت کو پہچانو۔

ان کے نقش قدم پر چلو۔ اور جس قدر ممکن ہو ان کے اخلاق اور سیرت کو مضبوطی سے پکڑو کہ وہ سیدھے راستے پر تھے۔

[1] حکایات صحابہ کا ترجمہ انگریزی، جاپانی اور فارسی میں ہو چکا ہے۔

[2] مقام شکر ہے کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہ کی حیاۃ الصحابہ کا مکمل اردو ترجمہ شائع و مقبول ہو چکا ہے۔

کتب تاریخ | دارالمصنفین اعظم گڑھ کی تاریخی کتب تاریخ اسلام۔ تاریخ دولت عثمانیہ۔ تاریخ اندلس۔ تاریخ صقلیہ وغیرہ ایک ایک نظر سے گزریں۔ شبلی مرحوم کا ایک قول حضرت الشیخ قدس سرہٗ نے حیات شبلی میں نقل کیا ہے۔ کہ "تاریخ تو شبلی کے دسترخوان کی چٹنی تھی" یہ چٹنی زبان کا چٹخارہ بن گئی اور اپنے تاریخی ذوق کی آبیاری عربی اردو اور انگریزی کی کتابوں سے کرتا رہا۔ عربی میں طبری ابن خلدون ابن اثیر ابن کثیر ابن قتیبہ بلاذری وغیرہ کتابیں دیکھیں۔ انگریزی میں خلیپ ہٹی کی ہسٹری آف عربس اور ہسٹری آف سیریا۔ گبن کی DECLINE AND FALL OF ROMAN EMPIRE میور کی THE CALIPHATE اور دیگر متعدد کتب اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا اور انسائیکلو پیڈیا آف اسلام وغیرہ کے متعلقہ حصہ پڑھے اور ان کا تریاق اپنے بوریانشین مورخین ہی کی کتابوں میں دکھائی دیا۔ مستشرقین کا طبقہ بڑا پرکار ہے۔ ان کے شہد نما سم قاتل سے بچنے کے لئے گہری نگاہ اور ہوشمند دل کی ضرورت ہے۔

دارالمصنفین نے استشراق کے فتنہ کا جس بے جگری سے مقابلہ کیا۔ اس کی مثال معاصر عہد میں کم ہی ملتی ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کی یہ خوش نصیبی ہے کہ وہاں دارالمصنفین اعظم گڑھ۔ ندوۃ المصنفین دائرۃ المعارف حیدرآباد تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ جیسے متعدد ادارے موجود ہیں۔ جن کی اکثر کتابیں دنیا کی کسی بھی مجلس علمی کے لئے فخر و مباہات کا سبب بن سکتی ہیں۔

دارالمصنفین نے سوانح پر جو کتابیں شائع کی ہیں وہ تحقیق و استناد کی بلندی کے ساتھ اردو ادب کا اعلیٰ سرمایہ ہے۔ غرض ہیچمدان دارالمصنفین کی کتابوں کا ہمیشہ زلہ ربا رہا اور اپنی جہالت کی پردہ پوشی ان کتابوں کی ورق گردانی سے کرتا رہا۔ دارالمصنفین کے ساتھ تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ اور ندوۃ المصنفین دہلی کی علمی و ادبی تصنیفات سے خوشہ چینی کا اعتراف نہ کرنا احسان فراموشی ہو گی۔ نیم جدید طبقہ اور عام مسلمانوں کی ذہنی الجھنوں کا مداوا بڑی حد تک ان اداروں کی مطبوعات میں پاتا ہے۔

حضرت سید سلیمان ندویؒ | غرض کہ جب شبلی کی سیرت نے سیدی و مطاعی حضرت الشیخ علامہ سید سلیمان ندویؒ کی بارگاہ تک پہنچا دیا۔ حضرت سید صاحب نور اللہ مرقدہ میرے صرف دینی اور روحانی پیشوا ہی نہ تھے بلکہ ۱۹۴۳ء سے ۱۹۵۳ء تک کا دس سالہ زمانہ ایسا گزرا کہ جہاں بھی رہا۔ دل ان کے پاس تھا۔ اور ان کی ہر تحریر وہر سطر فقیر کے لئے سرمہ بینش، مایہ تسکین، مہمیز عمل اور روشنی کا مینار تھی۔ سیرۃ النبی کے بعد "سلیمانیات" کا جو حرف دستوشتہ ملا، حرز جان تھا۔ میرے سئے علم عمل کی بلندیوں کا دائرہ حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ذات بن گئی تھی۔ گو ان کی نگاہ پاک اور پر پرواز کا جو تقاضا تھا اسکی پرکاہ کو بھی نہ پا سکا کہ ـــــــ

فیض ساقی ہے باندازہ ظرف میخوار   دل حریف۔ سئے لبسیار کہاں سے لاؤں۔

تاہم اپنی کوتاہیوں کے باوجود فکر و نظر کی رہنمائی ہمیشہ حضرت والاؒ کی تحریروں اور ارشادات سے پائی اور بحمداللہ تعالیٰ یہی فقیر کا سرمایہ زندگی ہے ؎

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر اس سے فقیری میں ہوں میں امیر

حضرت والا قدس سرہٗ کو دین و مذہب کے علاوہ تاریخی - ادبی - علمی - تحقیقی - غرض ہر راہ میں اپنا امام سمجھا - اور بحمداللہ آج بھی حال یہ ہے کہ ؎

خدا جانے مجھے کیا کہہ کے ساقی نے پلایا

وہ کب کا جاچکا پھر بھی نظر آتا ہے محفل میں

حضرت والا قدس اللہ روحہ کی تحریریں میری زندگی پر کس کس طرح اثر انداز ہوتی تھیں - اس کا اندازہ صرف دو واقعات سے فرمالیجئے ــــ

۱- حضرت تھانویؒ کی کتابیں بہشتی زیور - التکشف وغیرہ والدہ صاحبہ مدظلہا کے کتب خانہ میں موجود تھیں - لیکن ان دونوں کتابوں میں "پیر و مرید" کے باہمی آداب و ضوابط پڑھ کر "راہ سلوک" مجھ جیسے کوتاہ ہمت کو پہاڑ معلوم ہوتی تھی - اور اس گھاٹی کے قریب جانا بھی دشوار معلوم ہوتا تھا - اس بارے میں ذہنی کشمکش و حیص و بیص میں مبتلا تھا کہ ۲۲ جولائی ۱۹۴۳ء (۱۵ رجب ۱۳۶۲ھ) کو شیخ الکل حکیم الامتہ حضرت شاہ اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کا وصال ہوگیا - اخبار "ڈان" دہلی میں سانحہ ارتحال کی خبر پڑھی اور اس میں حضرت قدس سرہٗ کے خلفاء میں حضرت سید صاحبؒ کا نام پڑھا - خوش بختی

ے حضرت سید صاحبؒ کا تاریخ میں مقام مسلّمہ ہے - آپ کی نظر تاریخ کے جملہ شعبوں پر انتہائی عمیق تھی - آپ کی تحریروں میں اتنا رہنما مواد مل جاتا ہے - جس کی بنیاد پر تحقیق کی نئی اور عظیم راہیں کھل سکتی ہیں - فقیر نے اپنے انگریزی مقالہ THE EARLY INDO-ARAB RELATIONS. میں حضرت ہی کی کتابوں کو بنیاد بنا کر اپنے خاکہ میں رنگ بھرا ہے - گو دیگر مصادر بھی کافی ہیں - لیکن بنیاد اور خیال انگیز حضرت ہی کا سرمایہ ہے - اس مقالہ میں چار ہزار قبل مسیح سے لے کر عربوں کی فتح سندھ تک عرب و ہند کے تعلقات کی نشاندہی کی گئی ہے - یہ میرا ایم اے عربی کا مقالہ تھا - یہ بات ذہن میں رہے کہ حضرت کی اپنی معرکۃ الآرا کتاب "عرب و ہند کے تعلقات" کے نام سے موجود ہے

نے کہا ___ ؎ آمد آں یارے کہ ما می خواستیم ۔

اس تقریب کو حضرت سید صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں رسائی کا بہانہ بنایا خط لکھا چوتھے دن خط کا جواب اعظم گڑھ سے پشاور پہنچا ۔ مقصد بر آیا اور سلوک کی مہیب راہ حکمت سلیمانی سے گلکدہ جنت معلوم ہونے لگی سچ ہے۔ ؎ ساقی پلائے پھول تو کانٹا نکال کے ۔

پھر کیا تھا ۔ در مکاتبت وا تھا ۔ دل بے اختیار پکار رہا تھا ۔

ربّ انّی ظلمت نفسی واسلمت مع سلیمٰن للّٰہ رب العالمین ۔ (النمل ۔ ۳)

اے میرے پروردگار میں نے اب تک اپنے نفس پر ظلم کیا ۔ اور میں اب سلیمان کے ساتھ اللہ جو جہانوں کا پروردگار پر ایمان لایا ۔

اور زبانِ حال کہہ رہی تھی :

اب در پیر مغاں چھوٹے نہیں اسکی مٹی میں بھی فیض جام ہے ۔

حضرت حکیم الامت قدس روحہ کے وصال پر جو مضمون معارف[1] اعظم گڑھ میں آیا اس نے رہی سہی کی کسر پوری کردی ۔ اور کوچہ سلیمانی کی گرد ہمیشہ کے لئے سرمۂ چشم بن گئی اور طریق اشرفی کی بادہ پیمائی سرمایہ سعادت ٹھہری ___ ؎

حیات تو مجھے ان کی نگاہ ناز نے بخشی بھرا ہے آب حیوان کاسۂ زہر ہلاہل میں

۲ ۔ معارف ستمبر ۱۹۴۳ء میں حضرت مولانا الیاس اور ان کے سفر لکھنؤ و کانپور وغیرہ کے حالات کلک سلیمانی نے اس تاثیر میں ڈوب کر لکھے تھے کہ ہر بات اپنا اثر دکھاتی گئی ___ ؎

ادھر کہتا گیا وہ اور ادھر آتا گیا دل میں اثر یہ ہو نہیں سکتا کبھی دعوی باطل میں

---

[1] پہلے خط کے بعد اگست ۱۹۴۳ء کا معارف آیا ۔ حضرت سید صاحب نے ارتحال شیخ قدس سرہٗ پر " موت العالم موت العالم " کے عنوان سے کاغذ پر اپنے سوختہ اور خون شدہ دل کے ٹکڑے بکھیر دئے تھے ۔ اس منثور مرثیہ کی ہر بات نشتر بن کر دل میں پیوست ہوگئی اور عظمت اشرفیہ کا انمٹ نقش قلب پر مرتسم ہوگیا ۔

[2] حضرت والا نور اللہ مرقدہ کے سلوک پر بندہ کی ایک کتاب " سلوک سلیمانی " شائع ہو چکی ہے ۔ اور دوسری ضخیم کتاب شاہراہ معرفت (جس پر حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادی ۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کے مقدمات اور حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب مدظلہ جیسے اکابر کی تقریظ ہے ۔) ہنوز تشنۂ طباعت ہے ۔

اور نتیجۃً زندگی ان کی تحریک کی گرد بن کر رہ گئی۔

علامہ شبلی مرحوم کی خوش نصیبی تھی کہ انہیں حضرت سید سلیمان ندوی جیسا ہونہار و باوفا شاگرد مل گیا جس نے استاذ مرحوم کے کاموں کو نہ صرف باقی رکھا بلکہ چالیس سال تک اپنی خداداد صلاحیتوں سے اسے نکھارتے اور آگے بڑھاتے رہے۔ حضرت سلیمان ندوی استاذ مرحوم سے علم و تقویٰ میں گوئے سبقت لے گئے تھے لیکن وفاشعاری کا کمال تھا کہ اپنی تمام رفعتوں کو استاذ کے آستانہ پر قربان کرتے رہے۔ اور جب تک حضرت سلیمان ندوی زندہ رہے شبلی کی مسند علم خالی نہ ہو سکی۔ کاش حضرت سید صاحبؒ کو اپنے جیسا کوئی امام الاوفیاء اور فدائی مل جاتا۔ جو ان کے محاسن و فضائل مزایا و کمالات اور کارناموں کو نہ صرف اجاگر کرتا۔ بلکہ انہیں مزید جلا بخشتا۔

فمن یسع اویرکب جناحی نعامۃ لیدرک ما قدمت بالامس یسبق

حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے حیات شبلی لکھ کر نہ صرف استاذ مرحوم کے کارناموں کو نکھارا بلکہ مسلمانان ہند و پاک کی پچاس سالہ علمی و ثقافتی۔ ادبی و سیاسی تاریخ بھی قلمبند فرما گئے اس مبسوط سوانح کا بڑا کمال یہ ہے کہ استاذ کی بے مثال محبت تاریخیت و حقیقت کو مجروح نہ کر سکی۔ حضرت سید سلیمان ندوی کی قلمی دیانت و تاریخی غیر جانبداری کا ثبوت اس سے بڑھ کر کیا ہو گا کہ شبلی کی بے پایاں عقیدت کے باوجود یہ بلیغ فقرہ حیات شبلی میں رقم فرما دیتے ہیں۔

"بہرحال شبلی شبلی تھے جنید و شبلی نہ تھے"

۱؎ تبلیغی کام اعلاء کلمۃ اللہ اور احیاء دین کے لئے ایک علمی جدوجہد اور کوشش ہے جس کا خاکہ و عملی ڈھانچہ نصوص قرآن و سنت، اور اسوۂ صحابہ کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے۔ یہ کام نظری سے زیادہ عملی ہے۔ اس لئے اصلاً اس کے مالہ و ما علیہ کے سمجھنے کے لئے اس کام کے ذمہ دار حضرات کے ساتھ معتد بہ وقت گذارنا ناگزیر و ضروری ہے۔ تاہم دیگر تحریری کوششوں کے علاوہ فقیر کی بعض قلمی کاوشیں ایک گونہ اس کام کے وضوح میں ممد ثابت ہو سکتی ہیں۔ مثلاً:

۱۔ الفرقان لکھنؤ میں چھ نمبروں پر متعدد مضامین۔ ۲۔ کتاب پیام رسالت امت۔

۳۔ الفرقان لکھنؤ کے حضرت مولانا یوسف نمبر میں بندہ کا مقالہ "صدیق وقت یوسف اقلیم دین و دعوت"۔ کاش فقیر کی تشنۂ تکمیل کتاب "نظام ہدایت" مکمل ہو جاتی تو اس سلسلہ میں کافی مواد منظر عام پر آ جاتا۔

حیات شبلی کا دیباچہ و مقدمہ مستقل اہمیت کی وقیع علمی دستاویز میں ہیں۔ غرض اپنی گوناگوں خوبیوں کی بنا پر یہ کتاب اردو کی بلسوط سوانح عمریوں میں سب پر گوئے سبقت لے گئی ہے، اور اردو کلاسکی ادب میں ایک عظیم اضافہ ہے۔ حضرت سید صاحبؒ کی کتابوں میں خیام اپنی نظیر آپ ہے۔ علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے سید صاحب کو اس کتاب کے بارے میں خوب لکھا تھا۔ "عمر خیام پر آپ نے جو کچھ لکھ دیا ہے۔ اس پر اب کوئی مشرقی یا مغربی عالم اضافہ نہ کر سکے گا۔ الحمدللہ کہ اس بحث کا خاتمہ آپ کی تصنیف پر ہوا۔" یہ کتاب خیام پر مباحث کے علاوہ دیگر کئی مسائل پر عجیب و نادر تحقیقات کا انمول مجموعہ ہے۔ مثلاً فارسی رباعی کی تاریخ اور فلسفیانہ تصوف وغیرہ کی بحثیں قابل دید ہیں۔ یہ کتاب اردو ادب کے تحقیقی سرمایہ کا فخر ہے۔

تاریخ ارض القرآن جوانی کی ابتدائی تصنیف ہونے کے باوجود اپنے موضوع پر پہلی اور سب سے زیادہ کامیاب کتاب ہے۔ گو حضرت سید صاحب نور اللہ مرقدہ خود فرماتے تھے کہ یہ کتاب اب نیا پر پرواز چاہتی ہے۔ لیکن اس کی تالیف پر ساٹھ سال گذر جانے پر بھی اس موضوع پر معتدبہ اضافہ نہ کیا جا سکا۔ اور یہ کتاب اپنی نظیر آپ ہی رہی۔

سیرت عائشہ حضرت ام المومنین کی بے مثل سوانح ہے یا یوں کہئے "سیرت نبوی" کا صنف نازک کی نسبت سے تتمہ ہے۔ جو حضرت صدیقۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے کمالات علمی و عملی کا نادر مرقع و آئینہ ہے۔ جسے دیکھ کر ہر زمانے کی عورتیں اپنی زندگی سنوار سکتی ہیں۔ حیات مالک، امام دار الہجرت کی بہترین سوانح ہے۔

"عربوں کی جہازرانی" اپنے موضوع پر منفرد کتاب ہے۔ "عرب و ہند کے تعلقات" حضرت سید صاحب کی تاریخی بالغ نظری وسعت مطالعہ پر شاہد ہے۔

سید القلم تقریباً نصف صدی تک رواں دواں رہا۔ تصنیفی عمر کے ان پچاس سالوں میں حضرت سید صاحبؒ نے متعدد ضخیم کتابوں کے علاوہ بے شمار علمی و ادبی مقالات اور کتابوں پر مقدمات لکھے صدارتی علمی خطبات پڑھے جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر علم و دانش، تحقیق و ادب کا قیمتی سرمایہ ہے۔ مزید برآں ہزارہا علمی و تحقیقی مسائل کے جواب لکھے بے شمار مکتوبات تحریر فرمائے۔ جن کی افادیت مسلّم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ کہ دار المصنفین کے اس زاویہ نشین درویش بے گلیم نے علم و تحقیق کی کتنی محفلیں سجائیں اور دین و مذہب کی کتنی گتھیاں سلجھائیں۔ اور عہد حاضر کے استشراق اور علمی فتنوں کا کس بے جگری و کامیابی سے مقابلہ کیا۔ مجھ سا کم ظرف (جو سراپا ان کی نگاہ کرم کا پروردہ ہے[1]) ان کے کمالات کا کیا

---

[1] اقبال کا شعر ہے ؎ مرا درس حکیماں درد سر داد کہ من پروردۂ فیض نگاہم

اندازہ لگا سکتا ہے ——— ؎ دامن نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار

تاہم فقیر کی جستجو و کوشش یہی رہی کہ دانش و عرفان سلیمانی کا کوئی گوشہ نگاہوں سے اوجھل نہ ہے

گو ——— ؎ بر نتابد کوہ را یک برگ کاہ

حضرت مولانا تھانویؒ | حضرت سید صاحبؒ کی کشف برداری نے شیخ الکل حکیم الامت مجدد الملۃ حضرت اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کی بارگاہ قدس تک پہنچا دیا۔ ۱۳ر اکتوبر ۱۹۵۰ء میں جب کراچی میں خدمت عالیہ میں پہلی حاضری ہوئی۔ استفسار فرمایا۔ "آپ نے حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ (حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ) کے مواعظ و ملفوظات پڑھے ہیں۔ فقیر نے نفی میں جواب دیا۔ ارشاد فرمایا: حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ملفوظات و مواعظ پڑھئے۔ وہاں ہر بات اندر سے پھوٹ کر نکلی ہے۔" پھر کیا تھا، حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے مواعظ و ملفوظات رسائل و کتابیں فقیر کی روز و شب کا مشغلہ بن گئیں ——— اور بحمد اللہ تعالیٰ آج پوری بصیرت و دیانت کے ساتھ یہ بات کہنے میں باک نہیں، کہ حضرت تھانوی کی کتابیں امت کے ہر مرض کا مداوا اور ہر بیماری کے لئے تریاق ہیں۔ ایک دور افتادہ قصبہ میں بیٹھ کر یہ مرد درویش علم و دین کی جتنی علمی و عملی، ذہنی و روحانی خدمت کر گیا، پوری پوری اکادمیاں اور مدارس و خانقاہیں بمشکل کر پاتی ہیں۔ نو سو کے قریب کتابیں چار سو مواعظ (جو عام تقطیع کے تقریباً چوبیس ہزار صفحات پر مشتمل ہیں۔ ملفوظات کے ہزاروں صفحات اپنے ورثہ علمی میں امت کی رہنمائی کے لئے چھوڑ گئے۔

حضرت حکیم الامتؒ کے مواعظ و ملفوظات جدید و قدیم عامی و عالم ہر طبقہ کے امراض روحانی کے لئے سراپا دین شفا ہیں۔ تربیت السالک۔ انفاس عیسیٰ وغیرہ میں نفسانی و باطنی امراض کے جو تیر بہدف علاج بتائے ہیں اور جس دقت نظری اور ایمانی بصیرت سے امراض کی تشخیص کی ہے پورے اسلامی کتب خانہ میں اس کی نظیر شاذ ہی ملے گی حضرت مجدد الملۃ نور اللہ مرقدہ کی ہر کتاب علم و معرفت کا گنجینہ اور برکات ظاہری و باطنی کا خزینہ ہے۔ مبتدی طالب علم کے لئے ابتدا میں حضرت والا قدس سرہٗ کے پچاس سے سو تک مواعظ اور ملفوظات (حسن العزیز وغیرہ) کا مطالعہ مفید رہتا ہے۔ پھر تعلیم الدین قصد السبیل اصلاح الرسوم صفائی معاملات حیاۃ المسلمین اور بہشتی زیور کا بغرض استفادہ و عمل مطالعہ بفضلہ تعالیٰ کفایت کر دیتا ہے۔ گو طالب صادق آخر دم تک طالب علم اور سالک آخر وقت تک سعی و کوشش میں مصروف رہتا ہے۔ ورد من قال ؎

اندریں راہ می تراش و می خراش — تادم آخر دمے فارغ مباش

(باقی آئندہ)

اسلامی نصابِ تعلیم کے بنیادی نقاط

ڈاکٹر سید محمد یوسف صاحب
پروفیسر عربی، جامعہ کراچی

مکرمی! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ ــــ آپ کے سوالنامہ کا ہر سوال ایک مستقل عنوان ہے ایک موضوع جو سب سے زیادہ اہم ہے اس پر اپنے خیالات قلمبند کر دیئے ہیں۔ امید ہے کہ اس سے آپ کی فرمائش کی تکمیل ہو جائے گی۔

مخلص ــــ محمد یوسف

آغازِ اسلام سے لے کر بارھویں صدی ہجری تک کتنے سیاسی انقلاب آئے، عالمِ اسلام کتنی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گیا، خانہ جنگی بھی ہوئی، لیکن نصابِ تعلیم کی بابت جو تصور عام تھا وہ بدستور کونے کونے میں یکساں طور پر واضح اور نمایاں رہا۔ تھوڑے عرصہ کے لئے فاطمیین نے مصر میں اپنے مخصوص عقائد کی تعلیم کا جو طریقہ رائج کیا وہ ایک اہم تبدیلی ضرور تھی۔ لیکن "لادینی" نہ تھی نظام الملک کے عہد سے مشرق میں معقولات کو جو غلبہ حاصل ہوا اُسے محض "تطویر" کہنا چاہیئے جو اُس دور میں اس بات کی علامت تھی کہ اسلامی نصابِ تعلیم کی آغوش عصری علوم معقولہ و دخیلہ کے لئے کشادہ ہے۔ اکبر کے دور میں بے شک اسلامی نصابِ تعلیم کی بیخ کنی کی بھرپور کوشش ہوئی جو زیادہ عرصہ نہ چل سکی اور ناکام رہی۔ ملا عبدالقادر بدایونی اس دور کی بابت لکھتے ہیں: عربی خواندن و دانستن آں عیب شد و فقہ و تفسیر و حدیث و خوانندۂ آں مطعون و مردود ...... حکم شد کہ ہر قوم ترک علوم عربیہ نمودہ غیر از علوم غریبہ از نجوم و حساب و طب و فلسفہ نخوانند ــــ" آخر میں ملا صاحب ان

وہ ابیات پہ نوحہ ختم کرتے ہیں:

مدارس از علما آن چنان بود خالی　　　کہ ماہ روزہ ز مے خانۂ خمار

برند تحفۂ روح ادیب از پئے نذر　　　کنند مصحف قاری گرو بہ قمار

اسلامی نظام تعلیم کے بنیادی نقاط کی نشاندہی کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی تاریخی دستاویز نہیں ہو سکتی۔ عربی زبان و ادب، تفسیر، حدیث و فقہ اسلامی نظام تعلیم کی روح ہے۔ اکبر کا مقصد ناپاک سہی اسکی سمجھ بالکل درست تھی۔ اس نے اسلامی نظام تعلیم کی روح سلب کرنے کی کوشش کی اور ناکام رہا۔ اکبر جو نہ کرسکا وہ میکالے نے کیا۔ تقریباً ڈیڑھ سو برس پہلے برصغیر کے نظام تعلیم میں جو تبدیلی آئی وہ بنیادی تھی۔ اسی کی بدولت ہماری فکر میں جو دوئی پیدا ہوئی، وہ آج ایک لاعلاج مرض بن گئی ہے۔ اسی کی بدولت ہماری سیاست میں انتشار اور کھوکھلے نعروں کے سوا کچھ باقی نہیں، ملی وحدت پارہ پارہ ہو چکی ہے۔

اکبر اور میکالے دونوں کا عمل راست تھا۔ وہ اسلامی نظام تعلیم کی روح سلب کرنا چاہتے تھے، ایک ناکام رہا، دوسرا شاذ کامیاب ہوا۔ یہی نہیں دونوں کھلے بندوں جانے پہچانے دشمن تھے دونوں کی بابت علماء کا جو اندازہ تھا تاریخ اسے صحیح ثابت کر چکی ہے۔ گذشتہ صدی کے علماء پر انگریزی زبان اور سائنس کے خلاف تعصب اور دشمنی کا جو الزام ہے اس کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ کسی صورت عربی زبان و ادب تفسیر حدیث فقہ کا سودا کرنے کو تیار نہ تھے۔ اگر وہ یہ سودا کر لیتے اور اپنے طور پر عدیم المثال اخلاص اور ایثار کے ساتھ ان علوم کو جو اسلامی نظام تعلیم کی روح ہیں، باقی نہ رکھتے تو آج جو حال ہوتا اس کے تصور سے دل دہل جاتا ہے۔

مذکورہ بالا پس منظر میں دیکھئے: آج ہمارے یہاں دو متوازی نظام تعلیم رائج ہیں۔ ایک طرف مدارس عربیہ اسلامیہ ہیں دوسری طرف اسکول کالج اور یونیورسٹیاں ہیں۔ تحریک پاکستان اور قیام پاکستان سے جو نئے عوامل بروئے کار آئے ہیں ان کا تقاضا ہے کہ اس دوئی بلکہ کہنا چاہئے تضاد کو ختم کر کے موحد قومی اسلامی نظام تعلیم تشکیل دیا جائے۔ مدارس میں عربی، تفسیر حدیث، فقہ ہے انھوں کا ... یونیورسٹیوں میں انگریزی، جدید اجتماعی علوم اور سائنس ہے۔ کسی کو اس سے اختلاف نہیں کہ ان دو اجزاء کو باہم یکجا کر دیا جائے تو ایسا نظام تعلیم وجود میں آئے گا جو دین و دنیا دونوں میں ترقی و ... بلندی کا ضامن ہوگا۔ دو اجزاء میں سے ایک جزو مدارس میں ہے۔ اور دوسرا میکالے کے رائج کردہ تعلیمی اداروں میں۔ انہیں یکجا کرنے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ مدارس میں عربی تفسیر حدیث فقہ

کے ساتھ انگریزی، جدید عمرانی علوم اور سائنس کو جگہ دی جائے، دوسری یہ کہ اسکول کالج اور یونیورسٹیوں میں عربی تفسیر حدیث فقہ کو پورے نظامِ تعلیم کی روح کی حیثیت سے داخل کیا جائے۔ مدارس پر علماء کو اقتدار اور خود مختاری حاصل ہے۔ اور بجا طور پر حاصل ہے۔ اس لئے کہ اگرچہ عموماً وہ بانی دارالعلوم دیوبند کی وصیت[1] کے خلاف امیروں کی شرکت اور سیٹھوں کے بڑے بڑے عطیات پر تکیہ کرنے لگے ہیں۔ پھر بھی حکومت کی مالی امداد سے بے نیاز ہیں۔ فرض کیجئے کہ دانائے دین جمود کا شکار ہیں، جدید علوم کی قدر نہیں جانتے تو (یہ کیا ہے کہ ہر کس و ناکس علماء کا ناصح بن کر مدارس کی اصلاح پر تلا ہوا ہے۔؟ یہ ناصح بیک جنبش قلم دوسری صورت کو عملی جامہ پہنا سکتے ہیں۔ اسکول کالج اور یونیورسٹیاں تو تمام تر روشن خیالوں کے قبضۂ قدرت اور تصرف میں ہیں۔ وہ تو زمانے کے تقاضوں کو، بلکہ یوں کہئے کہ ہوا کے رخ کو پہچاننے میں مہارت رکھتے ہیں۔ وہ میکالے کے نظام کی اصلاح کے لئے کیا کر رہے ہیں۔؟] کاش وہ کچھ نہ کرتے۔ لیکن انہیں اپنا اقتدار برقرار رکھنے کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہے۔ وہ کر رہے ہیں۔ اور جو میکالے سے نہ ہو سکا۔ وہ کر رہے ہیں۔ علماء جو نہیں کرتے وہ تو سب کو معلوم ہے۔ اور یہ جو کرتے ہیں اس کی حقیقت کا کسی کو اندازہ نہیں، "سادگیِ مسلم کی دیکھ" علماء نے بھی یہ غور کرنے کی زحمت نہ کی کہ جو ہو رہا ہے اس کے مضرات کیا ہیں

اکبر اور میکالے نے راست حملہ کر کے اسلامی نظامِ تعلیم کی روح سلب کی، اب سیاسی مصلحت، راست حملہ کی اجازت نہیں دیتی اس لئے میکالے کی طریقت کے سالک اسلام کی روح سلب کرتے

---

[1] مولانا محمد قاسم کی تحریر کردہ ایک اصل: "سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر نظم ہوتی ہے۔" مولانا کی تاکید تھی کہ دارالعلوم کا تعلق عام مسلمانوں کے ساتھ زائد سے زائد ہو تاکہ یہ تعلق خود عام مسلمانوں میں ایک نظم پیدا کر دے ..... افسوس آج یہ تعلق صرف قربانی کی کھالوں میں سمٹ کر رہ گیا ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن نے اسی کو یوں نظم کیا تھا:

اسکے بانی کی وصیت ہے کہ جب اس کیلئے ۔۔۔ کوئی سرمایہ بھروسہ کا ذرا ہو جائے گا

پھر یہ قندیلِ معلق اور توکل کا چراغ ۔۔۔ یہ سمجھ لینا کہ بے نور و ضیا ہو جائے گا

اس کے مقابلہ میں سر سید کا علی گڑھ سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت پر قائم ہوا لیکن وہاں سے بھی عام مسلمانوں سے تعلق رکھنے کی غرض سے ہر سال اساتذہ و طلبہ کے وفود ملک کے طول و عرض میں بھیجے جاتے تھے۔ عرصہ تک علی گڑھ ایک عوامی قومی تحریک کا نام تھا۔ آج علی گڑھ بھی محض ایک یونیورسٹی ہے۔

کی بجائے اسلام کی روح مسخ کر رہے ہیں۔ (ایوب کے دور کا سب سے گھناؤنا عمل یہ تھا کہ نام نہاد ماہرین تعلیم میں سے ایک دو کو اسلام، اسلامی تعلیم اور سب سے بڑھ کر اسلامی تحقیق اور ریسرچ کا ٹھیکہ دے دیا گیا۔) ان ٹھیکہ داروں نے عربی اسلامی علوم کے جہل تام کے باوجود جس ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا وہ صرف ایک ضمیر فروش ہی کر سکتا ہے۔ انہوں نے ایک نئی اسلامیات ایجاد کی جس میں ہو بہو اکبر کی تقلید کرتے ہوئے "عربی خواندن و دانستن آں عیب شد" جسے یقین نہ آئے وہ ہماری یونیورسٹیوں کے اسلامیات کے نصاب کو ذرا غور سے پڑھ لے۔ اس اسلامیات میں قرآن و حدیث کی بجائے چند آیات و احادیث کا اردو ترجمہ پڑھایا جانے لگا۔ اور رائج الوقت نظریات میں سے کسی کے ساتھ "اسلامی" اور کسی کے ساتھ "غیر اسلامی" کا سابقہ لگا کر انگریزی اور اردو میں اسلامی تعلیمات اور اسلامی نظریۂ حیات کا سراسر غیر علمی غیر مستند من ماناچوں چوں کا مربّہ تیار کیا گیا۔ اس نظریۂ حیات نے علم فقہ و شریعت کے مطالعہ کی صبر آزما کاوش سے نجات دلا دی۔ میکالے کے نظام تعلیم کو اسلامیات نے کا یہ کارنامہ آج بھی اسکول کالج اور یونیورسٹیوں میں عربی اسلامی علوم کے تقدس کا مضحکہ اڑا رہا ہے۔

یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ جو بڑھ بڑھ کر علماء کو مدارس کی اصلاح کی نصیحت کرتے ہیں وہ اسکول کالج اور یونیورسٹیوں میں عربی زبان و ادب، تفسیر حدیث اور فقہ کو نصاب تعلیم کی روح اور اس کے محور کا درجہ دینے کے لئے تیار نہیں۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں۔ اس کا مقصد اور واقعی نتیجہ یہ ہے کہ عربی اسلامی علوم کی علمی قدر اور ان میں اختصاص کی اہمیت اور ضرورت ہی باقی نہ رہے۔ چنانچہ یونیورسٹیوں میں جب اسلامی علوم سے متعلق کوئی تجویز زیر غور ہوتی ہے۔ تو سائنسدانوں اور ایسے ہی بے بہرہ حضرات اس شد و مد سے بولتے ہیں۔ گویا اسلامی علوم ان کے گھر کی لونڈی ہے۔ عزت مند بیٹھے سوچتے رہ جاتے ہیں کہ کیا یہ ممکن ہے کہ سائنس سے متعلق کسی کمیٹی کی ممبری ایک اسلامی علوم کے ماہر کو نصیب ہو سائنس تجربی علم ہے جو مخصوص مزاج اور اخلاق کی تربیت کرتا ہے۔ ان میں سرفہرست علمی دیانتداری ہے۔ جب سائنسدان کسی ایسے موضوع میں دخل دے جس کا اسے "علم" نہ ہو تو اس کی سائنس میں شک

---

[۱] ایسی ہی اسلامک ایڈوائزری کونسل پر ہمارے علماء رضامند نظر آتے ہیں۔ دینی حلقوں میں جو تبصرے ہوئے ان میں صرف اتنا ہے کہ علماء کی تعداد بڑھا دی جائے، باقی اسلامی علوم کے جاہل بڑے بڑے دنیوی مناصب کا غرور لئے بیٹھے رہیں تو مضائقہ نہیں۔ اسے مایوسی کہئے یا سیاسی مجاملت بہر حال ذالک ادنی الوھن۔

ہونے لگتا ہے۔ سائنس اتنی تنگ نظر تو نہیں کہ ایک سائنس داں اورنٹیل کالج لاہور بند کرانے کی مہم چلائے، دوسرا سائینسدان تمام آرٹس کے شعبوں میں تالہ ڈالنے کی سوچے، اور جب سائنس کی تعلیم پر کروڑوں روپیہ خرچ کرنے کے بعد نتیجہ مایوس کن ہو تو یہ کہا جائے کہ آرٹس کی تعلیم اور ادبی اور انسانی علوم "سدِّ راہ" ہیں۔ جب تک ان کا وجود باقی ہے سائنس صنعت وحرفت ترقی نہیں کر سکتی، ہر شخص کو سائنس پڑھائیے یہ تو چنگیزی سے بھی بڑھ کر ہے۔ اسلامی علوم کو ایسے دوست ملیں تو دشمن ان کا اسماں کیوں ہو۔ ایوب کے معتمد علیہ ماہر تعلیم ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی بھی، بہ شہادت جماعت اسلامی، اسلام کے بڑے دوست اور محافظ تھے لیکن عربی اسلامی علوم سے وہ بھی بہت ڈرتے تھے، انہوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اسلامی علوم کو عربی زبان وادب کی قید سے رہائی دلائیں گے۔ چنانچہ جب وہ عربی سے معرّیٰ اسلامیات ایجاد کر چکے تو بولے کہ اگر عربی، فارسی اور ترکی تینوں زبانوں کے اسلامی ادب کو ایک پلڑے میں رکھا جائے۔ اور اردو کے اسلامی ادب کو دوسرے پلڑے میں تو اردو کا پلڑا بھاری رہے گا۔ یہ کسی صوفی کے شطحات نہیں ہیں یہ وہی اکبر کا دستور (عربی خواندن ودانستن آں عیب) ہے جسے مغرب کی عطا کردہ ذیرکی نے بیسویں صدی کی زبان میں ادا کیا ہے۔ پہلے روشن خیالوں کی محفل میں عربی اسلامی علوم کا داخلہ ممنوع تھا، اب محفل کے اندر بلاکر ان کی تضحیک کی جاتی ہے۔ اور اردو کو اشارہ ہوتا ہے کہ وہ عربی کو منہ چڑائے۔

جہاں تک عربی مدارس کی اصلاح کا تعلق ہے، نصاب تعلیم کوئی جامد چیز نہیں کہ علوم وفنون کی ترقی کے ساتھ اس میں تبدیلی نہ ہو۔ آپ دیکھیں عرصہ سے عربی زبان وادب کی تعلیم خود عربی مدارس میں بے جان ہو کر رہ گئی ہے۔ مجموعی نصاب میں عربی زبان کی غرض وغایت صرف اتنی ہے کہ عربی کے متون سمجھنے پر قدرت ہو جائے۔ عربی ادب کا کوئی اہتمام نہیں۔ عربی میں تقریر وتحریر کا رواج ہی نہیں رہا۔ الاماشاء اللہ۔ علماء نے بھی عربی چھوڑ اردو کو تصنیف وتالیف کا ذریعہ بنایا۔ یہاں تک میرا تجربہ ہے کہ بعض علماء عربی زبان کی فضیلت کے بارے میں امام شافعیؒ اور ابن تیمیہ کی صراحت کی بجائے بیسویں صدی کے قوم پرستوں کی طرح گول مول بات کرنے لگے تھے۔ اس کا سبب ظاہر ہے کہ استعمار نے ہمارے اور عرب ممالک کے مابین کوئی تعلیمی ثقافتی رابطہ باقی نہ چھوڑا۔ قیام پاکستان کے بعد سے ہماری حکومتوں کی سرد مہری کے باوجود عرب ممالک سے کچھ نہ کچھ روابط پیدا ہوئے، جس کے نتیجہ میں اب مدارس میں عربی زبان کی تعلیم کو بہتر اور مفید بنانے کی کوشش جاری ہے۔ کراچی کے ایک دو مدرسے اس لحاظ سے ممتاز ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ اس کے بعد دوسرا قدم ادبی ذوق کی تربیت ہوگا۔ تفسیر حدیث فقہ کا جو مقام ہمیشہ سے ہے وہ ہمیشہ رہے گا۔ البتہ اگر فقہ کے غلبہ سے تفسیر حدیث کی حق تلفی ہوتی ہو تو اس کی تلافی ضروری ہے۔

اب رہ جاتی ہے بات منطق فلسفہ و کلام کی۔ منطق کو فرسودہ نہیں کہا جا سکتا۔ وہی یونانی منطق جو مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔ آج بھی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ منطق میں اگر کوئی چیز جدید ہے تو طریقہ تعلیم یا تشریحات و تفصیلات۔ اگر اصل یونان سے ہے وہ آ، ہو سکتی ہے۔ تو اس میں اضافہ اور تعدیل قبول کرنے میں کیا قدغن ہے۔ ؟ جیسا آگے آئے گا۔ واقفیت شرط ہے۔ فلسفہ بھی یونان سے آیا اور اس کے رد کے لئے علم کلام کی ضرورت پڑی۔ اس میں شک نہیں کہ فلسفہ صدیوں کی بحث و تحیص کے بعد بہت آگے بڑھ چکا ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہر زمانہ کا ایک مزاج ہوتا ہے۔ جو مسائل اس وقت جاذب توجہ تھے اور مسلمانوں میں انتشار فکری کا سبب بنے ہوئے تھے۔ اور جن کا رد کلام میں پایا جاتا ہے۔ ان کی حیثیت آج محض تاریخی رہ گئی ہے۔ اگر مختصر تاریخ کے طور پہ پڑھایا جائے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ تضییع اوقات ہے اس لئے کہ دور حاضر کے مسائل سے اس کا ذرا بھی ربط نہیں۔ مثلاً آج کے مسائل علمانیت (لادینیت) انکار ختم نبوت، انکار حدیث، قوم پرستی ہیں۔ اگر ان کی بابت نیا علم کلام ترتیب دیا جائے، اور یہ ذرا سی توجہ اور کوشش سے ممکن ہے، تو کہیں زیادہ مفید اور دلچسپ ہوگا۔ پھر ہر ایک کے لئے فلسفہ و کلام کے درس کا لزوم بھی محل نظر ہے۔ یہ یاد رہے کہ حضرت گنگوہیؒ کی رائے نہ تھی کہ دارالعلوم دیوبند میں فلسفہ اور منطق کا درس ہو۔ ایک مرتبہ تعمیل ارشاد کے لئے یہ دونوں فن خارج کر دئیے گئے لیکن پھر ارکان شوریٰ نے کچھ عرصہ بعد ان دونوں فنون کو داخل نصاب کر دیا۔

مولانا جمیل الدین صاحب سابق رکن دارالعلوم سے منقول ہے کہ حضرت گنگوہیؒ نے خواب دیکھا کہ دارالعلوم کی اس عمارت میں جس کو نودرہ کہتے ہیں، ایک اجتماع ہو رہا ہے۔ رسول اللہ رونق افروز ہیں۔ آپ کی نظر ایک کتے پر پڑی جو نودرہ کے سامنے صحن میں بیٹھا ہوا ہے۔ حکم ہوا اس کتے کو نکال دیا جائے۔ حضرت گنگوہیؒ نے منطق اور فلسفہ کو کتے کی تعبیر تصور کیا۔ (سید محمد میاں: علماء حق جلد اوّل ص ۵۸) بہر حال یہ تو کوئی بھی نہیں کہے گا کہ منطق و فلسفہ کا درس دین کے لوازم میں ہے یا اس کا اخراج دینی نقطہ نظر سے محل اعتراض ہے۔ زمانے کی ضرورت اور مصلحت کی بات ہے۔ ندوہ کے بانیوں نے بھی اس مسئلہ پر اسی حیثیت سے سوچا تھا۔

ہیئت کے متعلق پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ خالصۃً تجربی علم ہے، جو کچھ مدارس میں پڑھایا جاتا ہے وہ محض عقل کی پیداوار ہے۔ (جو اس کا رشتہ وحی سے جوڑے وہ اسلام کا نادان دوست ہے۔) عقل کی ترقی جو نظام کائنات سے متعلق تجربہ اور مشاہدہ پہ مبنی ہو، بالکل فطری اور واجب التعلیم ہے۔ گذشتہ صدیوں میں عقل نے جو ترقی کی منزلیں طے کی ہیں۔ ان سے سابقہ نظریات کا ابطلان ثابت

ہو چکا ہے۔ اب مدارس میں ان باطل یونانی نظریات کو پڑھانا عقل کے لئے گمراہی کا باعث ہے۔ یہی حال طب کا ہے۔ طب یونانی کو مسلمانوں نے اپنے تجربات و مشاہدات سے فروغ دیا۔ اب جو اسے حرف آخر سمجھے گا، نئے انکشافات سے بے خبر رہے گا۔ اور جھجکے گا۔ وہ پیچھے رہ جائے گا۔ اور دوسرے آگے بڑھ جائیں گے۔

علوم دنیا تمام تر عقل کی کاوش کا نتیجہ ہیں، وحی سے ان کا تعلق نہیں، جو علوم دنیا اس وقت مدارس کے نصاب میں شامل ہیں۔ ان میں کمی اور رد و بدل عقل کی صوابدید پر چھوڑ دینا چاہیے ——— "ہر دم متغیر ہیں خرد کے نظریات"۔ عقل کا اپنے سابقہ نظریات کو باطل قرار دینا کوئی عجیب بات نہیں اس سے کوئی دینی یا اخلاقی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف علوم نقلیہ، جن کی بنیاد وحی پر ہے، ان میں بحث و تمحیص سے ترقی ہوتی ہے، تغیر و تبدل کا امکان ہی نہیں۔ اسی لئے عربی زبان و ادب، تفسیر حدیث فقہ کو ان کی جگہ سے ہٹانا یا کسی حال میں بھی کسی بھی نظام تعلیم میں ان کو جگہ نہ دینا دین سے بے وفائی ہے۔ بعض علوم دخیلہ ایسے ہیں جو اس وقت نصاب میں شامل نہیں ہیں۔ لیکن ان کیلئے نصاب میں جگہ نکالنا ضروری ہو گیا ہے۔ ان میں سر فہرست انگریزی زبان ہے۔ اگر مدارس میں انگریزی کی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام ہو تو قدیم اور جدید کے درمیان خلیج آسانی سے پاٹی جا سکتی ہے۔ جدید سے چشم پوشی ناممکن ہے۔ اگر جدید فلسفہ کا علم ہو تو اس سے قدیم کی تنقیح ہوتی ہے۔ اس سے جدید میں رد و قدح کا دروازہ کھلتا ہے، جس کے نتیجہ میں ایک متوازن فکر جنم لیتی ہے۔ اگر انگریزی زبان پر عبور ہو تو جدید فلسفہ عمرانیات اور معاشیات کا مستند علم حاصل ہو سکتا ہے۔ اس سے دین و دنیا کا فرق مٹ جائے گا اور دین و دنیا دونوں کی بھلائی حاصل ہو گی۔ اگر مدارس میں سر دست ان مضامین کی تعلیم کا انتظام نہ ہو تو یہ ممکن ہے کہ مدارس کے طلبہ ان مضامین کی تعلیم یونیورسٹیوں میں حاصل کریں۔ اس طرح علی گڑھ اور دیوبند میں لین دین کا وہ خواب جو گذشتہ صدی میں شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا، پورا ہو جائے گا، لیکن شرط یہی ہے کہ انگریزی زبان سے واقفیت ہو ———

کچھ اور مضامین بھی ہیں، مثلاً تاریخ جغرافیہ اور حساب بقدر ضرورت۔ ان مضامین کی ضرورت جتانا عبث ہے۔ صرف اپنا ایک ذاتی تجربہ بیان کروں گا جس زمانہ میں میرا تعلق سیلون یونیورسٹی سے تھا میں نے ایک مدرسہ کے پڑھے ہوئے طالب علم کے داخلہ کی سفارش کی۔ طالب علم میری سفارش سے کرڈین کے پاس گیا۔ انہیں نہ تو عربی سے سروکار تھا نہ دخل دینے کا شوق۔ طالب علم سے دو باتیں کرنے کی خاطر انہوں نے مکہ مدینہ دجلہ فرات کے جغرافیہ سے متعلق ایک دو سوال کئے۔ جوابات اتنے مایوس کن تھے کہ میرے

لکھے ہوئے کا احترام کرنے کے باوجود انہوں نے اس کا مجھ سے تذکرہ کیا اور مجھے بڑی شرمندگی ہوئی۔ اور حقیقتِ حال سمجھانے میں بڑی دقت ہوئی۔ بہت پہلے مفتی عبدہ نے جامع ازہر کی اصلاح کے سلسلہ میں انہیں باتوں پر زور دیا تھا۔

شاہ ولی اللہ کے بعد سے انیسویں صدی کے وسط تک علماء نے سیاست میں جو بھرپور کردار ادا کیا اُس کی غایت مغربی جمہوریت نہ تھی، بلکہ ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کا کھویا ہوا سیاسی وقار بحال کرنا اور برتری قائم کرنا تھا۔ آج جو علماء سیاست میں حصّہ لے رہے ہیں۔ وہ مغربی جمہوریت اور پارلیمنٹری نظام کے علمبردار ہیں۔ (چند اسلامی شقوں کے ساتھ) جب سے پاکستان میں دستور سازی کا کام شروع ہوا ہے۔ علماء کی تقریریں پارلیمانی نظام کی روایات کے حوالوں سے اسی طرح بھری ہوتی ہیں جس طرح انگریزی تعلیم یافتہ لیڈروں کی تقریریں۔ مغربی جمہوریت کی انگریزی اصطلاحیں بھی علماء کی زبان زد ہوگئی ہیں۔ تو کیا یہ مناسب نہیں کہ مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ مغربی سیاست وجمہوریت کے علم سے لیس ہو کر سیاست کے میدان میں اتریں ـــ؟

جو اس بات کے لئے تیار نہیں کہ عربی زبان و ادب تفسیر حدیث، فقہ کو نصاب تعلیم میں مرکزی جگہ دیں انہیں حق نہیں پہنچتا کہ علماء کو نصیحت کریں۔ لیکن اگر علماء از خود مدارس کی اصلاح کی سوچیں، جیسا کہ سوچ رہے ہیں۔ تو مذکورہ بالا امور قابلِ توجہ ہیں۔

سمیع الحق

یادِ رفتگاں

- مولانا سید گل بادشاہ
- مولانا لال حسین اختر
- مولانا خورشید احمد شاہ

علمی اور دینی حلقوں میں مولانا لال حسین اختر اور مولانا خورشید احمد شاہ کی وفات کے سانحے ابھی تازہ ہی تھے کہ ۱۰ر جولائی ۱۹۷۳ء کو بطل جلیل مجاہد غیور مولانا سید گل بادشاہ صاحب امیر جمعیۃ العلماء اسلام سرحد کا سانحہ ارتحال بھی پیش آیا۔ یہ سانحے علم و عمل اور رشد و ہدایت کے میدانوں میں ناقابل تلافی نقصان کا باعث ہیں۔ مولانا سید گل بادشاہ مرحوم نے ساری زندگی جہاد آزادی، باطل کے تعاقب اور اعلاء کلمۃ اللہ میں گزاردی۔ صوبہ سرحد میں وہ جمعیۃ کے اولین اور اساسی دعاۃ میں سے تھے۔ آخر دم تک علماء کی سربلندی اور جمعیۃ کے مقاصد کی تکمیل ان کا اوڑھنا بچھونا رہا۔ ایسی بے لوث خدمت کی مثالیں کم ہی ملیں گی۔ جمعیۃ کے پاکیزہ عزائم کی خاطر عمر بھر کوئی دوسرا وظیفۂ حیات اختیار نہ کیا نہ خطابت اور امامت کے مشاغل میں الجھے نہ درس و تدریس اور کسی مدرسہ کی ادارت اور نظامت کے جھمیلوں میں پھنسے حالانکہ وہ ان سب خدمات کے اہل تھے۔ مگر عسرت اور تنگدستی کی زندگی برداشت کرتے ہوئے جمعیۃ کی خاطر پوری یکسوئی سے حسبۃً للہ زندگی ایک ہی مقصد میں لگا دی۔ وہ شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ کے معتمدین میں سے تھے۔ جنگ آزادی کے یہ نڈر مجاہد ہر لادینی فتنہ کے سامنے سینہ سپر رہے۔ قید و بند کے مرحلوں سے بھی گزرے۔ آج نہ صرف سرحد بلکہ پورے پاکستان کی جمعیۃ اپنے امیر العلماء کی جدائی پر ماتم کناں ہے۔

مولانا لال حسین اختر نے زندگی آقائے ختم المرسلین کی ناموس ختم نبوت کی حفاظت پر نثار کر دی۔ اس سے بڑھ کر سعادت کیا ہو سکتی ہے۔ تاج و تخت ختم نبوت کی حفاظت کیلئے نازک سے نازک آزمائشوں میں کود پڑے اور ختم نبوت کا ڈھنکا سمندر پار ممالک یورپ تک میں بھی بجا آئے۔ باطل کے تعاقب میں آخری مورچوں تک جانے سے بھی دریغ نہ کیا۔ آج وہ بارگاہ رحمۃ العالمین میں سرفراز اور سرخرو ہو کر اپنی خدمات جلیلہ کا صلہ پائیں گے۔ ان کی مثالی زندگی پہ پوری ملت مسلمہ ان کے زیر بار رہے گی۔

اور خدا کے ہاں جو اجر و ثواب ہے اس کا تو کوئی حد و حساب ہی نہیں۔

مولانا سید پیر خورشید احمد شاہ قدس سرہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی کے خلفاء اجل میں سے تھے، جن کی تعداد پاکستان میں دو چار ہی تک محدود ہے۔ اپنے آقا و مرشدؒ کے مشن کی تکمیل کرتے ہوئے ساری زندگی رشد و ہدایت اور اصلاح و ارشاد میں صرف کی۔ حق تعالیٰ جانے والوں کو بہترین مقامات قرب سے نوازتے ہوئے امتِ مرحومہ کو ان کا بہترین بدل عطا فرما دے۔ اور ان کی برکات و فیوضات جاری و ساری رہیں۔ دارالعلوم حقانیہ اور ادارۃ الحق ان سانحوں میں پوری امت کا شریک غم ہے۔

رحمہم اللہ تعالیٰ ورضی عنہم وارضاہم

بجٹ کے بعض غیر اسلامی اور تاریک پہلو

قومی اسمبلی میں نئے بجٹ پر
شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ
کی تقریر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ جناب اسپیکر صاحب! نئے بجٹ پر کوئی مفصل تبصرہ کرنا مقصود نہیں۔ اعداد وشمار اور حساب وکتاب کے اس فن کیلئے الگ لوگ ہیں۔ مگر دینی اور اسلامی نقطہ نظر سے چند معروضات پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ نئے بجٹ پر مختصر تبصرہ کرتے ہوئے اس کی چند خامیوں پر گفتگو کرنے سے قبل یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ کچھ اچھے پہلوؤں کی تحسین ہو۔ ملک کے غیر معمولی حالات اور جن بحرانوں سے ہم گزرتے جارہے ہیں۔ اور جس غیر یقینی کیفیت سے ہم دوچار ہوئے ہیں۔ اس کی بناء پر بجٹ سے قبل لوگوں کو بڑے خدشات تھے۔ مختلف افواہیں تھیں۔ ایسے تشویشناک حالات میں جو بجٹ سامنے آیا۔ اس سے مجموعی حیثیت سے لوگوں نے کچھ اطمینان کی سانس لی۔ نئی چیزوں پر ٹیکس نہ لگانا محدود آمدنی والے طبقے کی قابل ٹیکس آمدنی کی حد ۲ ہزار سے بڑھانا یہ چند ایسی باتیں ہیں۔ کہ بجٹ موجودہ حالات کے تقاضوں سے ایک حد تک ہم آہنگ ہے۔ یہ کہنا تو انتہا پسندانہ ہے کہ بجٹ تمام خامیوں سے پاک ہے لیکن بجٹ میں کچھ اچھے فیصلے بھی کئے گئے ہیں۔

معاشی خوشحالی اور معاشرہ کی اخلاقی اور دینی اصلاح کا باہمی تعلق

مگر بدقسمتی سے ہماری اچھی پالیسیوں کا بھی اگر خاطر خواہ نتیجہ ظاہر نہیں ہوتا۔ اور یہ بجٹ بھی خوشگوار اثرات مرتب نہ کرسکا۔ تو اس کی وجہ بھی وہ بنیادی خرابیاں ہوں گی۔ جو معاشرہ کے نہ صرف عوام بلکہ خود برسر اقتدار

طبقہ بھی اس میں ملوث رہتا ہے۔ چوری، اسمگلنگ، بلیک مارکیٹ، ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ اور دولت کے حصول کی ہر جائز و ناجائز خواہشات کی تکمیل اور ہوس زر پورے معاشرے کو حکومت ہی کی نگرانی اور سرپرستی میں پورے معاشی نظام کو کھائے جا رہا ہے۔ جب تک معاشرے سے ان بنیادی خرابیوں کا قلع قمع نہیں کیا جائے گا۔ ہماری معاشی اصلاح اور عوامی خوشحالی کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ معاشیات و اخلاق کا باہمی گہرا ربط اور تعلق ہے۔ اخلاق کی تربیت نفس کی تطہیر دل کی پاکیزگی اور خوف خدا و محاسبہ آخرت ہی سے معاشیات سدھر سکتے ہیں۔ اس لئے اسلام نے مساوات سے زیادہ مواسات پر زور دیا۔ معاشرہ کی اصلاح کے نتیجہ میں کئی صدیاں ایسا دور رہا کہ ملک میں زکوٰۃ قبول کرنے والا کوئی نہیں مل سکتا تھا۔

ہر شہری کو بنیادی ضروریات کی فراہمی حکومت کا بنیادی فرض ہے۔

جہاں تک عوامی خوشحالی اور روٹی، کپڑا، مکان، بنیادی اشیائے صرف کی فراہمی کا تعلق ہے۔ اسلام نے اسے ایک اسلامی حکومت کا بنیادی فرض قرار دیا ہے۔ اس بارہ میں ریاست کی کفالت عامہ ایک مستقل ذمہ داری ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا تھا کہ لو مات الکلب علی شط الفرات لکان عمر مسئولاً عنہا۔ اور عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا تھا کہ کسی خارش زدہ اونٹ کو مالش کی دوائی نہ مل سکی۔ تو خدا مجھ سے بازپرس کرے گا۔ اس مسئولیت اور ذمہ داریوں کو ہم پچھلے ۲۵ سال سے فراموش کرتے رہے۔ تو نتیجہ سامنے آیا کہ ۲۶ سال گزر گئے۔ مگر ہماری ۷۵/۷۶ فیصد آبادی اب بھی تعلیم، علاج، روشنی، پانی جیسی بنیادی ضروریات سے محروم ہے۔ یہ صرف دیہات کی بات ہے۔ شہری علاقے بھی غربت، افلاس اور مہنگائی کے ہاتھوں نالاں ہیں۔ مزدور آج بھی نان جویں کیلئے ترستا ہے۔ ہمارے محترم وزیر خزانہ نے بنیادی اشیاء صرف، چینی، گھی، آٹا وغیرہ کی قیمتوں کے استحکام کا ذکر کیا ہے۔ مگر یہ بات واقعات کے مطابق نہیں۔ عوام کی قوت خرید سلب ہوتی جا رہی ہے۔ قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ ملک کا اکثر حصہ اب بھی ایسا ہی پسماندہ ہے۔ جیسا کہ ۱۹۴۷ء سے قبل رہا۔ مثال کے طور پر میں اپنا ہی حلقہ انتخاب پیش کرتا ہوں۔ ضلع پشاور کی تحصیل نوشہرہ چھ سات لاکھ انسانوں اور سینکڑوں مربع میل میں پھیلا ہوا ہے۔ مگر یہاں تک کہ بعض مقامات دس دس میل سے ایک چھوٹی سی پانی تک سے محروم ہیں۔

میرے حلقہ انتخاب کی حالت ۱۹۴۷ء سے قبل جیسی ہے

ڈسپنسری میں آنا پڑتا ہے۔ علاقہ نظام پور اور چراٹ سے بلکہ خیر آباد تک پہاڑی سلسلہ معدنیات کے ذرائع سے محروم ہے۔ مواصلات نہیں، ورنہ ایسے دشوار گزار علاقوں میں صنعتیں قائم کر کے روزگاری

وغربت کا علاج کیا جا سکتا تھا۔ اس لحاظ سے ہم دیکھتے ہیں۔ تو ہمیں موجودہ بجٹ سے بھی مایوسی ہوتی ہے۔ کہ ایسے علاقوں کی تقدیر کے دن کب بدلیں گے۔

اسلام نے اپنی معیشت کی بنیاد عدل و انصاف کے ساتھ کفایت شعاری اور میانہ روی پر رکھی ہے۔ "الاقتصاد نصف المعیشۃ" عربی مقولہ ہے کہ ضرورت کی جگہ پہ ضرور خرچ کیا جائے۔ اور بیجا ایک پیسہ بھی خرچ نہ ہو۔ تعیشات اور اسباب تعیش کی فراوانی اور ان پہ بیجا اخراجات جس کی موجودہ بجٹ میں بھرمار ہے۔ معاشیات درست نہیں ہو سکتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن چند اور باتوں کے علاوہ اس بات کا جواب دیئے بغیر کسی کو اپنی جگہ سے ہلنے کی اجازت نہ ہوگی۔ جب تک اس سے اس کے مال کے ذرائع خرچ کا نہ پوچھ لیا جائیگا۔ لاتزال قدما ابن آدم (الحدیث)

سادگی، کفایت شعاری نہ کہ عیاشی اور مسرفانہ زندگی

حضرت عمرؓ کی مجلس میں جب وہ دفتر کے سرکاری کام میں مصروف تھے ایک ملاقاتی آیا۔ آپ نے چراغ بجھا دیا۔ جب وہ جانے لگا تو پھر چراغ روشن کیا۔ اس نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ چراغ میں تیل بیت المال کا ہے۔ آپ نجی کام میں مجھ سے ملنے آئے تھے۔ تو اس وقت اس تیل کو خرچ کرنا بددیانتی ہوتی۔ اس لئے میں نے چراغ بجھا دیا۔ اور اب دوبارہ سرکاری کام کے لئے روشن کر دیا۔ مگر ہماری کفایت شعاری اور اقتصاد کی حالت یہ ہے۔ کہ ملک جب متحد اور سالم تھا۔ تو اخراجات چار ارب تھے۔ اب یہ بڑھ کر سات ارب چار کروڑ ہو گئے۔ کیونکہ کثیر سرمایہ سامان تعیش اعلیٰ سے اعلیٰ فرنیچر، ٹی وی، سامانِ زینت پر تکلف مسرفانہ اشیاء کی درآمد آئے دن کے جشنوں اور بڑی بڑی بھاری تنخواہوں پر خرچ ہو رہا ہے۔ اور کچھ بجٹ میں سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے دیگر مراعات یافتہ طبقوں کی وجہ سے مصارف بڑھ گئے۔ سوشلزم اور عوامی نعروں کے باوجود عام آبادی کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔

بجٹ اور سودی نظام | ہمارے بجٹ اور معاشیات کی دوسری بڑی خرابی وہ سودی نظام ہے جسے نہ صرف یہ کہ بجٹ میں قائم بلکہ اور مستحکم کیا گیا ہے۔ سودی نظام کے بارہ میں خدا کا اعلان جنگ ہے فأذنوا بحرب من اللہ ورسولہ۔ حضورؐ نے آخری خطبہ میں اسے اپنے قدموں سے پامال کرنے کا اعلان کیا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ سودی معاشیات کا نتیجہ بالآخر بربادی ہے۔ یمحق اللہ الربوٰا۔ امریکہ اور برطانیہ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ برطانیہ جزیرہ میں سودی نظام کی وجہ سے سمٹ کر رہ گیا ہے۔ امریکہ اقتصادیات میں ساری دنیا کا ٹھیکیدار تھا۔ مگر آج اس کے ڈالر کے بحران کی وجہ سے ساری دنیا مالیاتی بحران میں مبتلا ہے۔ اس لئے سودی نظام سے جلد از جلد خلاصی ضروری ہے۔ اور حتی الوسع بجٹ

کو اس سے پاک کرنا ضروری تھا۔

بجٹ اور شراب | جب ہم بجٹ پر سرسری نگاہ ڈالتے ہیں۔ تو بہت سی چیزیں محاصل و مصارف کی ضمن میں ایسی نظر آتی ہیں جو اسلام کی رو سے قطعاً ناجائز اور ناقابل برداشت ہیں۔ ایسے آمد و خرچ سے معاشرہ سنبھلتا نہیں بگڑتا ہے۔

بجٹ میں شراب بھی موجود ہے۔ پرسوں جناب وزیر محنت نے میرے ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ شراب کی درآمد پر ۴ کروڑ ۱۷ لاکھ روپے کا زر مبادلہ خرچ ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ارشاد ہوا کہ شراب پر سیاحوں کی وجہ سے دس سال تک مکمل پابندی لگانا مشکل ہے۔ ملک کے اندر شراب سے ہزاروں روپے ٹیکس لے کر پورے معاشیات کو اس ام الخبائث کی وجہ سے پلید اور بے برکت بنا دیتے ہیں۔ دوسری طرف تقریباً ۵ کروڑ شراب کے زر مبادلہ پر خرچ کر دیتے ہیں۔ ہمیں سیاحت کو فروغ دینا ہے۔ مگر شرابوں کی سیاحت سے نہیں۔ جو پورے ملک اور معاشرے کو برباد کر دیں گے۔ لیبیا کے مرد مجاہد کرنل قذافی نے ان مصلحتوں کو نہیں دیکھا۔

بجٹ اور خاندانی منصوبہ بندی | ہم نے خاندانی منصوبہ بندی کیلئے بجٹ میں ساڑھے تین کروڑ روپے رکھے ہیں۔ ہم بار بار کہتے ہیں کہ یہ دولت نہ صرف نتائج کے لحاظ سے بلکہ شرع کی رو سے بالکل ناجائز خرچ کی جا رہی ہے۔ خدا کی شان رزاقیت کو چیلنج دے کر افراد کی قوت کو گھٹا کر ہم خدا کے غضب کو دعوت دے رہے ہیں۔ پھر خدا ایسی قوموں کی منصوبہ بندی خود کر لیتے ہیں۔ ہم نے خاندانی منصوبہ بندی سے فحاشی اور حرامکاری کو بڑھایا۔ مگر آبادی گھٹانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ادھر خدا کے غضب نے ہماری نصف آبادی مشرقی پاکستان کی ہم سے کاٹ دی۔ یہ قدرت کی منصوبہ بندی تھی۔ اس لئے بجٹ کا یہ مد اہم ضروریات پر خرچ کرنا چاہئے۔

جوا پیشہ ور طوائف اور ثقافتی طائفے | ہمارے بجٹ میں جوا کو گھوڑ دوڑ کے نام سے ترقی دی جا رہی ہے۔ پیشہ ور طوائف پر ثقافت کے نام سے لاکھوں روپیہ لگایا جا رہا ہے۔ ہمیں ثقافتی طائفوں کے تبادلہ کے نام لاکھوں روپے کا زر مبادلہ لگانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ملک کی اکثریت بھوکی ننگی ہو اور ہم رقص و سرود ناچ گانے اور فحاشی پر آرٹ، کلچر اور ثقافت کے نام سے لاکھوں روپے لگائیں۔ تو اس سے بڑھ کر ستم ظریفی کیا ہو سکتی ہے۔ ہماری اسلامی مملکت کے بجٹ سے شراب، جوا اور سارے منکرات کے اخراجات معدوم ہونے چاہئے تھے جن کے بارے میں خدا کا ارشاد ہے: "انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطٰن فاجتنبوہ"

بجٹ اور اسلامی تعلیم و تبلیغ دینی تربیت ایک بہت بڑی خامی جو ہمارے ملک کے بجٹ پر بدترین اور بدنما داغ ہے۔ اور جو اس ملک کے قیام کے وقت کے دعدوں اور مقاصد سے غداری ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اسلامی تعلیم دینی تربیت اور اسلامی اقدار کے فروغ پر کوئی بھی کماحقہ' توجہ نہیں دی گئی ہے۔ تعلیم کے طویل باب میں ہمیں اسلام کی تعلیم اور تبلیغ کے لئے کوئی رقم مختص نظر نہیں آرہی۔ یہ ایک اہم ترین قومی اور نظریاتی ضرورت تھی۔ کہ بجٹ کا آدھا نہیں۔ تو ایک تہائی حصہ اسلامی تعلیم کے لئے مختص ہونا ضروری تھا۔ بجٹ میں آرٹس کونسل جن کا کام رقص و سرود کی ترویج ہے۔ کیلئے تو لاکھوں روپے رکھے گئے۔ عہد جاہلیت کے آثار کے لئے عجائب گھر ہیں۔ جن پر لاکھوں روپے لگائے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بدھ مت کے تہذیبی آثار کے لئے بھی ہم نے ۲۳ لاکھ روپے رکھے ہیں۔ مگر اسلام کی غربت کا یہ عالم ہے۔ کہ ملک کے اندر تبلیغ و تعلیم اسلام کا کماحقہ' انتظام نہیں۔ تو بیرون ملک اسلام کی تبلیغ کے نام جو زرمبادلہ دیا بھی جارہا ہے۔ تو عموماً اس سے وہی فرقہ نوازا جاتا ہے۔ جو مسلمانوں اور عالم اسلام کے چودہ سو سالہ عالمگیر اخوت اور اتحاد کیلئے ضرب کاری بنا ہوا ہے۔ پاکستان کا فتنۂ قادیانیت ہماری سرپرستی کی وجہ سے اور مالی وسائل کے ذریعہ دنیا میں پھیل رہا ہے ——— ہم وثوق سے کہتے ہیں اور اس میں ملک کا مفاد ہے۔ کہ قادیانیوں کے رشتے اسرائیل اور بھارت سے ملے ہوئے ہیں۔ میں نے یہ سوالات باقاعدہ اسمبلی میں داخل کئے تھے۔ جنہیں مسترد کر دیا گیا۔ اقلیت قرار دینے کے بارے میں میری قرارداد کو خلاف ضابطہ قرار دیا گیا۔

ہمارے ملک کو جو معاشی بحران کا سامنا کرنا پڑا۔ مشرق و مغرب میں اقتصادی لحاظ سے نفرت بڑھ گئی اس میں اس منصوبہ بندی کا اہم حصہ تھا جس کا سربراہ ہم نے ایک مرزائی ایم ایم احمد کو بنایا۔ اور آج یہی لوگ ہماری افواج تک پر قابض ہیں۔

الغرض کفر و ارتداد کے پھیلانے میں ہمارا سرمایہ اور وسائل تو خرچ ہو سکتے ہیں ——— (یہاں قادیانیت کا مسئلہ زیر بحث آیا تھا۔ کہ سپیکر صاحب نے تقریر کا سلسلہ سختی سے منقطع کرا دیا ——— اور حضرت شیخ الحدیث صاحب کو اپنی تقریر ختم کرنی پڑی)

اہم ملکی وملّی مسائل اور قومی اسمبلی کا وقفۂ سوالات

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

کے

سوالات

اور وزراء کے

جوابات

جمعیۃ علماء اسلام کے رہنما شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ ایم این اے مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نے قومی اسمبلی کے حالیہ اجلاس میں بھی ملک کے اہم ملّی اور دینی مسائل پر حکومت کی توجہ سوالات کی شکل میں مبذول کرائی۔ متعلقہ وزراء نے جوابات دیئے۔ مگر اکثر باتیں پریس میں نہ آسکیں جبکہ ایسے سوالات اٹھانے کا مقصد حکومت اور قوم کیلئے لمحاتِ فکر مہیا کرنا ہوتا ہے۔ کہ پارلیمانی روایات سے ہٹ کر بجٹ سیشن کے دوران ایوان میں سوالات کے تحریری جوابات مہیا کرنے پر اکتفاء کیا گیا۔ اگرچہ تو ضمنی سوالات اٹھانے کا موقع دیا گیا نہ پریس میں وقفہ سوالات کی کوئی تفصیل آسکی۔ ہم یہاں حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کے سوالات اور حکومت کے تحریری جوابات دے رہے ہیں۔ (ادارہ)

بیرون ملک اعلیٰ تعلیم کے وظائف اور اسلامی تعلیم

سوال ۹۳ مورخہ ۲ر جون ۸۳ ۱۹ء ——— کیا وزیر تعلیم ازراہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ

(الف) پچھلے دو سال کے دوران اعلیٰ تعلیم کے وظائف پر کتنے طلباء کو غیر ممالک بھیجا گیا۔ نیز وظائف کی تعداد کیا ہے۔

(ب) ان طلباء میں اسلامی تعلیم وتحقیق کے لئے بھیجے جانے والے طلبہ کی تعداد کیا ہے۔ اور ان

ممالک کے نام بتائیں جہاں انہیں بھیجا گیا ہے۔

جواب :- عبدالحفیظ پیرزادہ ـــــ طلباء اعلیٰ تعلیم کے حصول کیلئے مرکزی و صوبائی حکومتوں اور یونیورسٹیوں کی طرف سے مہیا کردہ وظائف کے مختلف پروگراموں پر بیرون ملک جاتے ہیں۔ جہاں تک وزارت تعلیم کا تعلق ہے۔ وہ طلباء کو وظائف دیکر اعلیٰ تعلیم کیلئے بیرون ملک بھیجتی ہے۔ اور ان کے لئے رقم بھی خود ادا کرتی ہے۔ نیز دو طرفہ پروگراموں کے تحت اور وقتی بنیادوں پر غیر ملکی حکومتوں و اداروں کیطرف سے پیش کردہ وظائف پر بھی طلباء کو اعلیٰ تعلیم کے لئے بھیجا جاتا ہے ـــــ وزارت تعلیم کے اپنے پروگراموں کے تحت نیز غیر ملکی حکومتوں و اداروں کیطرف سے دیئے گئے وظائف سے متعلق اعداد وشمار درج ذیل ہیں :ـــــ

(۱) بیرون ملک بھیجے گئے طلباء کی تعداد : ۱۹۰   (۳۲ کا جائزہ لیا جارہا ہے)

(۲) وظائف کی تعداد ۔ ۲۴۳

(الف) وزارت تعلیم کی اپنی اسکیم کے تحت ۔ ۴۶

(ب) غیر ملکی حکومتوں و اداروں کی طرف سے پیشکش ـ ۱۹۷

کل ۲۴۳ وظائف میں سے بالآخر ۲۱ وظائف سے حسب ذیل وجوہ کی بناء پر استفادہ نہیں کیا گیا تھا۔

(۱) منتخبہ طلباء نے عین آخر وقت پر وظیفہ لینے سے انکار کر دیا۔ اس وقت تک بیرونی ممالک میں داخلہ کی تاریخوں کے باعث نئے امیدواروں کو منتخب کرنا ممکن نہیں تھا۔ ان طلباء کے خلاف مناسب کارروائی کی جارہی ہے۔ جو ان وظائف سے آخری لمحہ پر استفادہ نہ کرکے ان کے سوخت ہوجانے کے باعث بنے تھے۔

(ب) بیرونی ممالک میں جانے والے ۱۹۰ طلباء میں سے ۴ طلباء کو اسلامی تعلیم و تحقیق کے لئے بھیجا گیا تھا۔ ان میں سے دو طلباء سعودی عرب اور اردن گئے ہیں۔ مناسب وقت پر دو مزید طلباء کو اسلامی علوم میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی خاطر بیرونی ممالک میں بھیجا جائیگا۔ اور انہیں وظائف وزارت تعلیم دے گی۔ یاد رہے کہ غیر ممالک کی طرف سے جن وظائف کی پیشکش کی جاتی ہے۔ ان میں سے بیشتر وظائف سائنسی اور فنی مضامین کی اعلیٰ تعلیم کے لئے مخصوص ہوتے ہیں۔

ثقافتی طائفے اور زرمبادلہ

سوال نمبر ۶۲ ۲ ؍جون ۱۹۷۳ء ـــــ کیا وزیر تعلیم ازراہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ :

(الف) موجودہ حکومت نے بیرون ملک کتنے ثقافتی طائفے بھیجے ہیں۔؟

(ب) ان طائفوں نے ہماری ثقافتی زندگی کی کس حد تک عکاسی کی ہے۔؟

(پ) ان مشنوں کی تفصیل اور ان ممالک کے نام جہاں یہ مشن بھیجے گئے تھے۔؟

(ت) ان ثقافتی مشنوں پر کتنا زرمبادلہ خرچ ہوا۔؟

(ٹ) کیا ہماری ثقافتی زندگی صرف ناچ گانے اور طاؤس و رباب کی عکاسی کرتی ہے۔؟

(ث) اندرون ملک ان ثقافتی طائفوں پر کتنا خرچ ہوتا ہے۔؟

(ج) اب تک بیرونی ممالک سے کتنے ثقافتی طائفے پاکستان آئے ہیں۔ اور ان ثقافتی طائفوں پر پاکستان کا کتنا روپیہ خرچ ہوا۔؟

جواب :- عبدالحفیظ پیرزادہ —— (الف) موجودہ حکومت نے بیرونی ممالک میں چار ثقافتی وفود بھیجے تھے۔ جن میں عوامی جمہوریہ کوریا جانے والا ماہرین تعلیم کا ایک وفد شامل ہے۔ اس کے علاوہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس کے موقع پر ایک مشہور فنکار کی موسیقی کے مظاہرے کا اہتمام کیا گیا تھا۔

(ب) ان وفود نے جن ممالک کا دورہ کیا تھا۔ وہاں کے سفارت خانوں کی طرف سے موصولہ اخباری تراشوں اور رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ہماری ثقافتی طائفوں نے جس کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا، وہاں پریس کی بہت ہی تعریف و توصیف کی گئی تھی بالخصوص ماریشش، کینیا اور تنزانیہ میں ہمارے طائفہ کی کارکردگی سے بھارتی پراپیگنڈا کا توڑ کرنے میں بہت ہی کامیابی ہوئی تھی۔

(پ) ۱۔ ملک کے مختلف حصوں کے عوامی اور نیم کلاسیکل فنکاروں پر مشتمل ایک چودہ رکنی ثقافتی طائفے نے ۱۴ر اگست سے ۲۲ر ستمبر ۱۹۷۲ء تک ماریشش، کینیا اور تنزانیہ کا دورہ کیا تھا۔

۲۔ پی۔ آئی۔ اے آرٹ اکادمی کے ایک ۵۱ رکنی ثقافتی طائفہ نے ۴ر اپریل سے ۱۳ر اپریل ۱۹۷۳ء تک ایران کا دورہ کیا تھا۔

۳۔ پی۔ آئی۔ اے اکادمی کے ایک ۵۱ رکنی ثقافتی طائفہ نے ۱۹ر اپریل سے ۱۰ر مئی ۱۹۷۳ء تک عوامی جمہوریہ کوریا اور عوامی جمہوریہ چین کا دورہ کیا تھا۔

۴۔ چار ماہرین تعلیم نے نومبر ۱۹۷۲ء میں عوامی جمہوریہ کوریا کا دس دن کا دورہ کیا تھا۔

۵۔ نیویارک میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں وائلن بجانے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ وائلن بجانے کا یہ مظاہرہ ایک مشہور پاکستانی فنکار نے کیا تھا۔ جو امریکہ میں آباد ہو چکا ہے۔

قائداعظم کی جائیداد اور اسلامیہ کالج

سوال ۶۵ مورخہ ۲ر جون ۷۳ ۱۹ء ـــــ کیا وزیر تعلیم ازراہ کرم یہ بتائیں گے کہ کیا یہ صحیح ہے کہ قائداعظم نے اپنی جائیداد کا کچھ حصہ اسلامیہ کالج پشاور کے نام وقف کیا ہے۔؟ اگر یہ درست ہے تو اسکی مقدار کتنی ہے۔؟ اور کیا اس وقف کو جلد از جلد اسلامیہ کالج کے کنٹرول میں دیا جائے گا۔

جواب :- عبدالحفیظ پیرزادہ ـــــ جی ہاں! قائداعظمؒ کی بقیہ جائداد کا ایک تہائی عدالتِ عالیہ کی طرف سے فیصلہ ہوتے ہی یہ جائداد اسلامیہ کالج پشاور کی تحویل میں دے دی جائے گی۔

خاندانی منصوبہ بندی

سوال ۷۵ مورخہ ۴ر جون ۱۹۷۳ء ـــــ کیا وزیر منصوبہ بندی آبادی ارشاد فرمائیں گے کہ :

(الف) کیا حکومت کو خاندانی منصوبہ بندی کے ذریعے پیدائش کی شرح تناسب گھٹانے میں کامیاب ہوئی ہے۔؟ اگر ایسا ہے تو یہ کامیابی کس حد تک ہوئی ہے۔؟

(ب) کیا آبادی کو گھٹانے کا تصوّر ملک کے اسلامی مزاج اور آئین کے مطابق ہے۔؟

(پ) پچھلے ڈیڑھ سال میں خاندانی منصوبہ بندی پر کتنی رقم خرچ ہوئی۔؟

(ت) کیا خاندانی منصوبہ بندی کے وسائل کافی حد تک حرام کاری اور فحاشی کو فروغ نہیں دے رہے ہیں۔؟

جواب :- شیخ محمد رشید ـــــ تصحیح کردہ مردم شماری ۱۹۶۱ء عارضی مردم شماری ۱۹۷۲ء کے گوشواروں اور مرکزی شعبہ شماریات کی اندازاً شرح اموات کے مطابق ۱۹۷۲ء میں قبل از وقت پیدائش کی شرح ۴۸ فی ہزار تھی جبکہ ۱۹۶۵ء میں اس کا اندازہ ۵۰ فی ہزار تھا۔ تاہم یہ قابلِ افسوس ہے کہ سماجی اقتصادی نظام کے دوسرے علاقوں کی مانند سابقہ حکومت نے شعبہ خاندانی منصوبہ بندی میں کوئی ترقی نہیں کی۔ موجودہ حکومت خاندانی منصوبہ بندی کی اہمیّت کا پورا پورا احساس رکھتے ہوئے اس کو کامیاب بنانے کے لئے سنجیدہ کوشش کر رہی ہے۔ (ب) جی ہاں۔ (پ) گذشتہ ڈیڑھ سال کے دوران بجٹ میں شامل اعداد و شمار کے مطابق آبادی منصوبہ بندی پروگرام پر مجموعی مصارف ۷۶ء۷۹ لاکھ روپے تھے۔ (ت) جی نہیں۔

مشرقی پاکستانیوں کی خالی آسامیوں کا مسئلہ

سوال ۹۲ مورخہ ۵ر جون ۱۹۷۳ء ـــــ کیا وزیر عملہ ارشاد فرمائیں گے کہ :

(الف) مشرقی پاکستانی ملازمین کی خالی ہونے والی ملازمتیں تمام کی تمام پُر کی جائیں گی۔ یا اس میں تخفیف ہوگی۔؟

(ب) اگر ان کو پُر کیا جا رہا ہے تو کیا اس میں صوبائی کوٹوں کا لحاظ رکھا جا رہا ہے۔؟ اگر ہے تو سرحد و بلوچستان کا کوٹہ کتنا ہے۔؟

جواب:۔ خورشید حسن میر ـــــ مشرقی پاکستان کے ملازمین کی ملازمتوں کو ختم کرنے سے پیدا ہونے والی تمام آسامیاں پُر نہیں کی گئی ہیں۔ مختلف زمروں کی متعدد آسامیاں جن کی ضرورت اب نہیں تھی کم کردی گئی ہیں۔

(ب) جہاں پر باہر سے براہ راست بھرتی کے ذریعے اسامیاں پُر کی گئی تھیں۔ صوبائی کوٹے کا خیال رکھا گیا تھا۔ موجودہ بھرتی کی پالیسی میں صوبہ سرحد اور بلوچستان کے لئے علیحدہ کوٹے کا انتظام نہیں کیا گیا ہے۔

فلم اور جمعہ کا دن

سوال ۱۲۲ مورخہ ۸ رجون ۱۹۷۳ء ـــــ کیا وزیر اطلاعات ونشریات اوقات درج ازراہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ:

(الف) پاکستان کے سینماؤں میں جمعہ کے مقدس دن سے نئی فلموں کی نمائش شروع ہوتی ہے۔؟

(ب) اگر جواب اثبات میں ہے تو کیا اس طرح سے جمعہ کے دن کی توہین تو نہیں ہوتی۔ اور کیا اس میں کوئی تبدیلی زیر غور ہے۔؟

جواب:۔ مولانا کوثر نیازی ـــــ سینما گھروں میں فلموں کی نمائش وغیرہ کے معاملات صوبائی حکومتوں سے متعلق ہیں۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ عام طور پر فلموں کا افتتاح جمعہ ہی کے دن ہوتا ہے۔

(ب) اگرچہ یہ صوبائی معاملہ ہے۔ اس کے باوجود سینما گھروں کے مالکان کو کئی دفعہ مرکزی حکومت کی طرف سے اپیل کی جا چکی ہے۔ کہ وہ جمعہ کے علاوہ کوئی اور دن فلموں کی نمائش کی افتتاح کے لئے مقرر کریں۔

تحصیل نوشہرہ اور سوئی گیس پائپ لائن و بجلی

سوال ۱۲۳ ۸ رجون ۱۹۷۳ء ـــــ کیا وزیر ایندھن، بجلی و قدرتی وسائل ازراہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ آیا تحصیل نوشہرہ کی شہری اور دیہاتی آبادی تحصیل نوشہرہ سے گزرنے والی سوئی گیس پائپ لائن

سے استفادہ کر سکے گی۔ اگر یہ درست ہے تو کب تک۔؟

۱۔ سال ۷۴-۱۹۷۳ء کے دوران تحصیل نوشہرہ کے کتنے دیہات کو بجلی فراہم کی جائے گی۔

۲۔ اس مدت کے دوران تحصیل نوشہرہ کے کتنے ٹیوب ویلوں کو بجلی فراہم کی جائے گی۔؟

جواب :۔ حیات محمد خان شیرپاؤ ——— سوئی ناردرن گیس پائپ لائن لمیٹیڈ کی طرف سے عنقریب تحصیل نوشہرہ کی شہری آبادی کو گیس مہیا کر دی جائے گی۔ اس کمپنی نے نوشہرہ چھاؤنی و شہر کو گیس مہیا کرنے کے لئے گیس تقسیم کرنے والے پائپ لائن بچھانے کا کام پہلے ہی شروع کر دیا ہے۔ تاہم فی الحال تحصیل نوشہرہ کی دیہی آبادی کو گیس مہیا کرنے کا کوئی منصوبہ نہیں ہے۔

۱۔ تین۔

۲۔ ایک سو پچاس۔

ٹیلی ویژن اور عریاں فلمیں

سوال ۱۲۴ ، ۳ جون ۱۹۷۳ء ——— کیا وزیر اطلاعات و نشریات، حج و اوقاف ازراہ کرم ارشاد فرمائیں گے۔

(الف) آیا ٹیلی ویژن پر پیش کی جانے والی ہفتہ وار فلموں کی تعداد بڑھا دی گئی ہے۔؟

(ب) آیا ٹی وی پر غیر ملکی انگریزی عریاں فلموں کی نمائش بھی ہو رہی ہے۔؟

جواب :۔ مولانا کوثر نیازی ——— (الف) جی نہیں۔

(ب) یہ اپنے اپنے ذوق کی بات ہے بعض لوگ ان فلموں کو فحش سمجھتے ہیں۔ بعض ایسا نہیں سمجھتے۔ لیکن مزید احتیاط کے لئے ٹی وی کا سنسر بورڈ تشکیل کیا گیا ہے۔ جو ٹی وی پر دکھانے سے پہلے ہر انگریزی فلم کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔

اس مقصد کے لئے ایک جامع سنسر شپ کوڈ تیار کیا گیا ہے۔ تاکہ فحش فلموں کا سدباب ہو سکے۔ سنسر بورڈ کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اس کوڈ کے قواعد و ضوابط کی سختی سے پابندی کریں۔

تبلیغ کے نام پر زرمبادلہ

سوال ۱۴۰ مورخہ ۱۱ جون ۱۹۷۳ء ——— کیا وزیر مالیات ازراہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ غیر ممالک میں اسلام کی تبلیغ کے لئے کن تبلیغی جماعتوں کو زرمبادلہ مل رہا ہے۔؟

(ب) ہر جماعت کو دئے گئے زرمبادلہ کی تفصیلات کیا ہیں۔؟

(پ) کیا حکومت نے کبھی ان تبلیغی جماعتوں کے حسابات اور سرگرمیوں کی جانچ پڑتال کی ہے؟

(ت) ان جماعتوں کو کس بنیاد پر زرمبادلہ دیا جاتا ہے۔؟

جواب :- ڈاکٹر مبشر حسن ـــــ (الف) غیر ملکی زرمبادلہ میں کوئی گرانٹ نہیں دی جاتی۔

(ب) سوال پیدا نہیں ہوتا۔

(پ) سوال پیدا نہیں ہوتا۔

(ت) سوال پیدا نہیں ہوتا۔

حکومت اور عربی تعلیم

سوال ۱۴۱ ۱۱ر جون ۱۹۷۳ء ـــــ کیا وزیر تعلیم از راہ کرم ارشاد فرمائیں گے۔

(الف) موجودہ حکومت نے اقتدار سنبھالنے کے بعد عربی کی تعلیم کے لئے کتنی رقم مختص کی ہے۔

(ب) حکومت نے عربی کو فروغ دینے کیلئے اگر کوئی قدم اٹھایا ہے۔ تو وہ کیا ہے،

(پ) اگر (ب) بالا کا جواب نفی میں ہے تو مستقبل میں اگر کوئی اقدامات کئے جانے کی تجویز ہے۔ تو انہیں بیان کیا جائے۔؟

جواب :- عبدالحفیظ پیرزادہ ـــــ (الف) ماسوا قومی زبان کے صرف مخصوص زبانوں کیلئے امدادی رقوم نہیں دی جاتی۔ تاہم وزارت تعلیم، جامعات، دارالعلوم، صوبائی یونیورسٹیوں اور جدید زبانوں کے اداروں کو معقول رقم دیتی رہی ہے۔ جو یا تو عربی اور اسلامیات کی تعلیم میں خصوصی مہارت رکھتے ہیں۔ یا پھر عربی کے مکمل شعبے چلاتے ہیں۔

(ب) ۱۔ مڈل ثانوی اور کالج کی تعلیم کیلئے مطالعوں کی سکیم میں عربی کی تعلیم شامل ہے۔ موجودہ نصاب کے مطابق جماعت ششم سے کالج کی سطح تک اس کو بطور اختیاری مضمون کے لیا جا سکتا ہے۔

۲۔ نصاب اور درسی کتب کے قومی بورڈ، وزارت تعلیم میں درجہ اوّل کی دو آسامیاں ایک عربی کے لئے اور دوسری اسلامیات کیلئے فراہم کی گئی ہیں تاکہ ہر دو مضامین میں بنیادی تحقیق کیلئے کام کیا جائے۔

۳۔ جدید زبانوں کا ادارہ مرکزی حکومت نے قائم کیا ہے۔ جہاں پر عربی بھی بطور ایک مضمون کے پڑھائی جاتی ہے۔

(پ) سوال پیدا نہیں ہوتا۔

تعلیمی ادارے اور اسلامی تعلیم

سوال ۱۴۲ مورخہ ۱۱ر جون ۱۹۷۳ء ـــــ کیا وزیر تعلیم ازراہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ:

(الف) حکومت نے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اسلامی تعلیم کو اہم مقام دلانے کیلئے کیا خاص تدابیر اختیار کی ہیں۔

(ب) کیا ابتدائی تعلیم میں قرآن پاک کی لازمی تعلیم دی جاتی ہے؟

جواب: عبدالحفیظ پیرزادہ ـــــ (الف) اسکول کے نصابوں میں اسلامیات کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اور یہ دسویں جماعت تک مسلمان طلباء کے لئے لازمی ہے۔

۲۔ علوم انسانی گروپ کے لئے کالج کی سطح پر اسلامیات ایک اختیاری مضمون ہے۔ پنجاب پشاور، کراچی اور حیدرآباد کی یونیورسٹیوں میں اسلامی مطالعوں کیلئے علیحدہ شعبے موجود ہیں۔

(ب) پرائمری کلاسوں کے لئے اسلامیات کے سیلیبس میں قرآن پاک کی کئی ایک سورتیں لازمی ہیں۔

شراب کے اخراجات اور پابندی

سوال ۱۶۶ مورخہ ۱۲ر جون ۱۹۷۳ء ـــــ کیا وزیر صحت و معاشرتی بہبود ازراہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ:

(الف) موجودہ حکومت نے غیر ملکی شراب درآمد کرنے پر کتنا زرمبادلہ خرچ کیا ہے؟

(ب) شراب کے استعمال کی حوصلہ شکنی کے لئے حکومت کن تازہ ترین تدابیر پر غور کر رہی ہے؟

(پ) کیا وفاقی سطح پر شراب نوشی پر پابندی عائد کرنے کے بارے میں کسی تجویز پہ غور ہو رہا ہے۔

جواب: شیخ محمد رشید ـــــ (الف) ۱۷ء۴ لاکھ روپے۔

(ب) حسب ذیل تدابیر اختیار کی گئی ہیں۔

۱۔ شراب کی درآمدات میں بتدریج کمی کی جائے گی۔

۲۔ موجودہ قوانین کا نفاذ صوبوں میں سختی سے کیا جا رہا ہے۔

(پ) جی نہیں۔ پاکستان میں رہائش پذیر غیر ملکیوں اور سیاحوں کے پیش نظر مکمل پابندی عائد کرنا ممکن نہیں ہے۔ جزوی پابندی پہلے سے موجود ہے۔ مکمل پابندی دس سال تک نہیں لگائی جا سکتی۔

پاکستان اور ہیپی ازم

سوال ۱۴۷۱ مورخہ ۱۲ جون ۱۹۷۳ء ـــــ کیا وزیر داخلہ ازراہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ :

(الف) کیا پاکستان میں غیر ملکی ہیپیوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ اور ان کی موجودہ تعداد کتنی ہے ؟

(ب) کیا یہ درست ہے کہ ہیپی معاشرہ کو اخلاقی لحاظ سے خراب کر رہے ہیں ؟

(پ) کیا حکومت ان کے پاکستان میں داخلہ پر پابندی عائد کرنے کی تجویز رکھتی ہے۔ اگر نہیں تو اسکی وجوہ کیا ہیں ؟

جواب :- وزیر داخلہ جناب عبدالقیوم ـــــ (الف) پاکستان میں غیر ملکی ہیپیوں میں اضافہ یا ان کی تعداد کے متعلق صحیح معلومات بہم پہنچانا شاید ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ پاکستان میں داخل ہوتے وقت ان کا اندراج بحیثیت "ہیپی" نہیں کیا جاتا۔

(ب) جی نہیں۔

(پ) جی نہیں۔ شعبۂ سیاحت کے مجوزہ نمونے کے سروے کا نتیجہ معلوم ہونے کے بعد اس سوال پر غور کیا جائے گا۔ اس مجوزہ سروے کا مقصد یہ معلوم کرنا ہے کہ کس قسم کے سیاح معاشرے پر خراب اثرات مرتب کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

تحصیل نوشہرہ میں بجلی اور پانی کے مسائل

سوال ۲۴۴ مورخہ ۱۲ جون ۱۹۷۳ء ـــــ کیا وزیر ایندھن، بجلی اور قدرتی وسائل بیان فرمائیں گے۔ کہ : (الف) کیا یہ صحیح ہے کہ تحصیل نوشہرہ کا اکثر پہاڑی اور دشوار گزار حصہ بجلی سے محروم ہے۔ اور بجلی نہ ہونے کی وجہ سے آبپاشی اور زراعت جیسے اہم منصوبے تشنۂ تکمیل ہیں۔ مثلاً مانکی کونسل، شاہ کوٹ، چراٹ، زیارت کاکا صاحب کونسل، خشتی کونسل اور علاقہ نوشہرہ نظام پور کے اکثر دیہات۔

(ب) کیا یہ صحیح ہے کہ تحصیل نوشہرہ کے بعض دیہاتی علاقے اس حد تک پسماندہ ہیں کہ پینے کا پانی بھی کئی کئی میل سے لانا پڑتا ہے۔

(پ) کیا حکومت کے پاس تحصیل نوشہرہ کے ایسے پسماندہ علاقوں کو خصوصی توجہ دینے کی کوئی تجویز ہے ؟

جواب :- جناب محمد خان شیر پاؤ ـــــ (الف) تحصیل نوشہرہ کے پہاڑی اور دشوار گزار علاقوں میں بجلی نہیں پہنچائی گئی کیونکہ وہاں سے آمدنی کم ہونے اور خرچ زیادہ ہونے کی توقع ہے کسی سرکاری ادارے

کی طرف سے ان دیہاتوں میں اہم آبپاشی کے اور زرعی پراجیکٹوں کے لئے بجلی مہیا کرنے کی بابت کوئی درخواست واپڈا کے زیر کارروائی نہیں ہے۔

(ب) پینے کا پانی مہیا کرنا صوبائی حکومت کے دائرہ عمل میں آتا ہے۔

(پ) واپڈا دستیاب مالی وسائل کو مدنظر رکھ کر تحصیل نوشہرہ کے مزید دیہات کو بجلی مہیا کرنے کی بابت غور کرے گی۔

سال گذشتہ کے حجاج کی صوبہ وار تعداد

سوال ۲۴۵ مورخہ ۱۶ر جون ۱۹۷۳ء ــــ کیا وزیر اطلاعات ونشریات، اوقاف و حج بیان فرمائیں گے کہ:

(الف) امسال کل کتنے افراد کو فریضہ حج ادا کرنے کا موقع دیا گیا۔؟

(ب) مجموعی تعداد میں ہر صوبے کی الگ تعداد کتنی تھی۔؟

(پ) صوبہ سرحد سے فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے کتنی درخواستیں دی گئی تھیں۔؟

(ت) کیا عازمین حج کیلئے صوبوں کی بنیاد پر کوئی کوٹہ مقرر کیا گیا ہے۔؟

(ٹ) اگر مذکورہ بالا (ت) کا جواب اثبات میں ہے۔ تو یہ کوٹہ کس بنیاد پر ہے۔؟

(ث) اگر مذکورہ بالا (ت) کا جواب نفی میں ہے تو آئندہ کے لئے کوئی تجویز ہے۔؟

جواب: مولانا کوثر نیازی ــــ (الف) ۷۴۶۳۷ (چوہتر ہزار چھ سو سینتیس)

(ب) پنجاب ۴۲۰۰۳ (بیالیس ہزار تین)۔ سندھ ۲۱۲۷۴ (اکیس ہزار دو سو چوہتر)
شمال مغربی سرحدی صوبہ ۸۱۵۲ (آٹھ ہزار ایک سو باون) بلوچستان ۲۰۷۳ (دو ہزار تہتر)
آزاد کشمیر اور قبائلی علاقہ وغیرہ ۱۱۳۵ (ایک ہزار ایک سو پینتیس) میزان ۷۴۶۳۷ (چوہتر ہزار چھ سو سینتیس)

(پ) ۱۰۲۳۷ (دس ہزار دو سو سینتیس)

(ت) جی نہیں۔

(ٹ) سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(ث) صوبہ وار کوٹہ مقرر کرنے کی کوئی تجویز نہیں ہے۔؟

میزانیہ اور اسلامی تعلیم و تبلیغ

سوال ۲۷۵ مورخہ ۱۸ر جون ۱۹۷۳ء ــــ کیا وزیر قانون ازراہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ:

(الف) کیا ملک میں اسلامی تعلیمات کی تبلیغ کیلئے آئندہ سال کے میزانیہ میں کوئی رقم مختص کی گئی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو یہ رقم کتنی ہے۔ نیز مجوزہ مصارف کی مدات کی تفصیلات بیان کی جائیں۔

(ب) کیا آئندہ سال کے بجٹ میں غیر مسلم ممالک میں اسلام کی تبلیغ کیلئے کوئی رقم رکھی گئی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو کتنی؟

(پ) کیا حکومت ایسے ممالک بالخصوص افریقی ممالک میں اسلام کی تبلیغ کے لئے کچھ رقم مخصوص کرنے کی ضرورت کو سمجھتی ہے۔؟

جواب :- عبدالحفیظ پیرزادہ ——— (الف) جی ہاں، ۲۲،۰۱،۴۰۰ روپے

۱۔ انجمن حمایت اسلام لاہور	۲۵،۰۰۰ روپے
۲۔ ادارہ اسلامی ثقافت لاہور	۲۵،۰۰۰ 〃
۳۔ آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس لاہور	۴،۰۰۰ 〃
۴۔ تعلیمی، ثقافتی اور مذہبی ادارے	۳،۰۰،۰۰۰ 〃
۵۔ جامعات، دارالعلوم	۱،۵۰،۰۰۰ 〃
۶۔ صدر کی جانب سے تعلیمی، ثقافتی اور مذہبی اداروں کیلئے عطیات	۵،۰۰،۰۰۰ 〃
۷۔ اسلامی نصب العین کی مشاورتی کونسل	۲،۷۳،۰۰۰ 〃
۸۔ مرکزی ادارہ اسلامی تحقیق کیلئے گرانٹس	۱۱،۲۴،۴۰۰ 〃

مذکورہ بالا کے علاوہ پاکستان کی یونیورسٹیوں کو بھی گرانٹیں دی جاتی ہیں۔ یہ یونیورسٹیاں اسلامی مطالعوں کے لئے مکمل شعبے چلا رہی ہیں۔

(ب) جی ہاں ۱،۳۴،۶۰۰ روپے

مذکورہ بالا تحقیقات کے علاوہ دنیا کے مختلف اسلامی اداروں اور مراکز کو بھی مذہبی کتابیں مثلاً قرآن پاک، حدیث، فقہ بھی مفت فراہم کی جاتی ہیں۔

(پ) جی ہاں۔ پاکستان انفرادی استعداد کے ساتھ ساتھ دوسری اسلامی مملکتوں کے صلاح مشورے سے غیر مسلم ممالک، خاص طور پر افریقی ممالک میں اسلام کی تبلیغ کے لئے اپنے محدود ذرائع کے اندر رہ کر جو کچھ کر سکتا ہے، کر رہا ہے۔

اسلامی مشاورتی کونسل کے مصارف

سوال ۲۷۷ مورخہ ۱۸ جون ۱۹۷۳ء ——— کیا وزیر قانون ازراہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ :

(الف) کیا ۱۹۶۲ء کے دستور کے تحت اسلامی نظریات کی مشاورتی کونسل اب بھی قائم ہے۔؟
(ب) اس کونسل نے اپنے زمانہ قیام میں مرکزی وصوبائی حکومتوں کو کتنی سفارشات پیش کیں۔؟
(پ) اس کونسل کو کتنے مسائل ارسال کئے گئے ہیں۔؟
(ت) کونسل نے موصول شدہ مسائل پر اسمبلیوں کو یا صدر اور گورنر کو کتنے مشورے دیئے۔؟
(ٹ) ان مشوروں پر کہاں تک عملدرآمد ہوا۔ اور کونسل پر اس کے قیام سے اب تک کتنی رقم صرف ہوئی۔؟

جواب :۔ عبدالحفیظ پیرزادہ ـــــ (الف) جی ہاں۔
(ب) ۷۸
(پ) ۱۹
(ت) ۱۹ کے ۱۹ مسائل پر مشورے دیئے گئے تھے۔ اور کوئی حوالہ زیرِ غور نہیں ہے۔
(ٹ) ۱۔ صوبائی حکومتوں کے جوابوں کا انتظار ہے۔ ۲۔ ۳۰ راپریل ۱۹۷۳ء تک ۸۷۲،۷۵،۲۱ روپے۔

سفراء کی تقرری اور اہلیت

سوال نمبر ۲۹۴۔ مورخہ ۲۶ رجون ۱۹۷۳ء ـــــ کیا وزیرِ امورِ خارجہ ازراہ کرم ارشاد فرمائیں گے :
(الف) غیر ممالک میں سفراء کی تقرری کے وقت معیار اور دیگر شرائط کو ملحوظ رکھا جارہا ہے؟
(ب) کیا ہمارے سفراء متعلقہ فرائض بخوبی انجام دے رہے ہیں۔؟
جواب : عزیز احمد (وزارتِ خارجہ) الف : جی ہاں ۔۔ ب : جی ہاں۔

روزگار کے متلاشی انجنیئر اور ڈاکٹر

سوال نمبر ۴۵۴ مورخہ ۳۰ رجون ۱۹۷۳ء ـــــ کیا وزیرِ محنت وبلدیات ارشاد فرمائیں گے کہ :
(الف) آیا یہ حقیقت ہے کہ انجنیئر اور ڈاکٹروں جیسے اہل افراد روزگار کی تلاش میں بیرونِ ملک جارہے ہیں۔ اور آیا حکومت اس معاملے میں کوئی اقدامات کر رہی ہے۔؟
(ب) آیا یہ حقیقت ہے کہ قابل افراد کے ملک سے جانے کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان میں ملازمت کی شرائط پرکشش نہیں اور تنخواہیں کم ہیں؟
(پ) حکومت موجودہ منصوبہ کی مدت میں کتنے ہنرمند افراد اور انجنیئروں کو تربیت دے گی۔

اور آیا ایسے افراد کی موجودہ تعداد ہمارے ملک کی ترقی پذیر معیشت کی ضروریات کے لئے کافی ہے ؟

جواب :- چوہدری محمد حنیف ـــــ (الف) یہ صحیح ہے کہ انجنیئر اور ڈاکٹر جیسے پیشہ ور افراد روزگار کے لئے مختلف ممالک میں جا رہے ہیں۔ لیکن یہ بات بذات خود کوئی انہونی بات نہیں ہے درحقیقت یہ امر سرکاری پالیسی کے مطابق ہے کہ باقاعدہ اور منظم بنیادوں پر موزوں پاکستانیوں کے لئے غیر ممالک میں روزگار یا نقل وطن کے مواقع میں اضافہ ہو۔ تاکہ ملک کے اندر بیروزگاری میں کمی واقع ہو اور غیر ممالک میں مقیم پاکستانیوں کی جانب سے فرستادہ رقوم کے باعث زرمبادلہ کی کمائی بڑھائی جا سکے۔ اور دوست ممالک کو فنی امداد دی جا سکے۔ ساتھ ہی ساتھ حکومت جوہر قابل افراد کو روکنے کے لئے تمام ضروری تدابیر اختیار کر رہی ہے۔

(ب) ملک سے جوہر قابل فرار نہیں ہو رہا۔ بجز ڈاکٹروں کے جن پر پابندی عائد کر دی گئی ہے ڈاکٹروں کے بیرون ملک روزگار کے حصول کی بلاشبہ ایک وجہ یہ ہی ہے کہ بیرونی ممالک میں ان کے لئے ملازمت کی زیادہ پرکشش شرائط موجود ہوتی ہیں۔

(پ) الفاظ "ہنرمند افراد اور انجنیئر" چونکہ مبہم ہیں۔ لہٰذا ایسے افراد کی صحیح تعداد بتانا ممکن نہیں ہے۔ جو موجودہ منصوبہ کی مدت میں دستیاب ہوں گے۔ درحقیقت ہمارے پاس متعدد زمروں کے انجنیئر اور ہنرمند افراد کی فاضل تعداد موجود ہے۔ لہٰذا ہم ان افراد کو ملک سے باہر جانے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ سب ملک کیلئے فنی افراد کی ضرورتیں مکمل طور پر پوری ہو جاتی ہیں۔

پاک بھارت اخبارات و رسائل کی ترسیل و تبادلہ

سوال ۲۵۵ :- مورخہ ۳۰ جون ۱۹۷۳ء ـــــ کیا وزیر اطلاعات و نشریات، اوقاف و حج ارشاد فرمائیں گے۔ کہ :

(الف) آیا یہ حقیقت ہے۔ کہ ہندوستان اور پاکستان میں اخبارات اور جرائد کا تبادلہ حالیہ جنگ سے بھی پہلے اس وقت بند کر دیا گیا تھا۔ جبکہ دونوں ملکوں میں تعلقات بحال تھے۔ ؟

(ب) اگر الف بالا کا جواب اثبات میں ہے۔ تو اس کارروائی کے پس پردہ وجہ کیا تھی۔ اور کس ملک نے اس معاملے میں پہلے قدم اٹھایا۔ ؟

(پ) آیا یہ حقیقت ہے کہ اس کارروائی کی وجہ سے پاکستانی مسلمانوں اور ہندوستان کے

کروڑوں مسلمانوں کے درمیان تعلیمی اور ثقافتی تعلقات ٹوٹ گئے ہیں۔ اور دیوبند، ندوۃ العلماء علی گڑھ وغیرہ جیسے خالص تعلیمی، مذہبی اور ثقافتی، اشاعتی اداروں پر بہت بُرا اثر پڑا ہے۔؟

(ت) آیا حکومت دونوں ممالک کے درمیان تعلقات بحال ہونے کے بعد ایسے اقدامات کی تجویز رکھتی ہے۔ کہ مسلمانوں کے ایسے مذکورہ خصوصی تعلیمی اور اشاعتی اداروں کی مطبوعات اور رسائل کے تبادلہ پر سے پابندیاں ہٹ جائیں۔

جواب:- مولانا کوثر نیازی ——— (الف) اس وزارت نے ۱۹۷۱ء کی لڑائی سے پہلے بھارت کے اخباروں اور رسالوں کے تبادے کے کوئی انتظامات نہیں کئے ہوئے تھے۔ بھارتی اخبارات پریس اتاشی کی معرفت خریدے جاتے تھے۔ اور ڈپلومیٹک تعلقات ختم ہونے کے ساتھ ساتھ یہ انتظامات بھی ختم ہو گئے تھے۔

(ب) یہ سوال پیدا نہیں ہوتا۔

(ج) اور (د) الف بالا کے جواب کے پیش نظر یہ سوال پیدا نہیں ہوتا۔

شراب، مرکزی حکومت اور سرحد کی سابقہ حکومت

سوال ۵۶ ۔ مورخہ ۲۰ جون ۱۹۷۳ء ——— کیا وزیر سیاحت ارشاد فرمائیں گے۔ کہ :

(الف) آیا یہ حقیقت ہے کہ شمال مغربی سرحدی صوبہ میں پچھلی حکومت کی طرف سے شراب پر پابندی لگنے کے بعد وفاقی حکومت نے سرکاری طور پر یہ سفارش کی تھی۔ کہ کچھ شراب کی دوکانوں کو پشاور اور قرب وجوار میں کام کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ سیاحت کو فروغ ہو۔؟

(ب) آیا یہ حقیقت ہے کہ سیاحت کو شراب کے بغیر ترقی نہیں دی جا سکتی۔؟

جواب:- (الف) پشاور اور اس کے گرد ونواح میں شراب کی دوکانوں کیلئے ایسی کوئی سفارش نہیں کی گئی ہے۔ تاہم صوبائی حکومت سے گزارش کی گئی تھی کہ وہ بعض ایسے کلبوں اور ہوٹلوں کو جہاں غیر ملکی افراد اکثر وبیشتر آتے جاتے ہیں۔ یہ اجازت دے کہ وہ انہیں شراب دے سکیں۔

(ب) عیاشی اور فحاشی نہایت ہی غیر پسندیدہ ہیں۔ اور خواہ سیاحت ہو۔ یا کوئی دیگر میدان عمل ان سے پرہیز کرنا چاہیے۔

جہاں تک شراب کا تعلق ہے۔ صوبائی حکومتوں کی طرف سے اس پر پہلے سے پابندی عائد ہے ———

تاہم یہ بتانا ضروری ہے۔ کہ جہاں تک غیر ملکی سیاحوں کا تعلق ہے۔ ان میں سے بیشتر کو یہ توقع ہوتی ہے کہ وہ جن ممالک میں جائیں، وہاں ان کی یہ عام ضرورت بھی دستیاب ہو۔ کیونکہ شراب ان کی عام خوراک کا ایک حصہ ہے۔

گزٹیڈ ملازمین کی تنخواہیں

سوال ۷۴۳ - مورخہ ۲ر جولائی ۱۹۷۳ء ——— کیا وزیر مالیات ازراہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ

(الف) آیا ضروریات زندگی کے موجودہ بھاری مصارف کے پیش نظر حکومت فوری طور پر گزٹیڈ سرکاری ملازمین کے لئے قومی تنخواہ سکیل کا اعلان کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ ؟

(ب) آیا مرکزی حکومت کے کالجوں میں لیکچراروں اور پروفیسروں کو بھی ان سکیلوں سے فائدہ پہنچنے کا امکان ہے۔؟ اگر نہیں تو اس کی وجوہات کیا ہیں ؟

جواب :- ڈاکٹر مبشر حسن ——— (الف) جی ہاں۔

(ب) معاملہ کا حتمی فیصلہ ہونے کے بعد تفصیلات کا پتہ چلے گا۔

سوات سے قانون قصاص کی منسوخی

سوال ۷۵۴ مورخہ ۲ر جولائی ۱۹۷۳ء ——— کیا وزیر قانون ازراہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ :

(الف) کیا یہ حقیقت ہے کہ ریاست سوات میں پاکستان میں مدغم ہونے سے پہلے قتل کے مجرم کیلئے اسلامی قانون قصاص نافذ تھا۔؟

(ب) کیا یہ حقیقت ہے کہ ریاست سوات کے پاکستان میں ادغام کے بعد قانون قصاص منسوخ کر دیا گیا۔؟

(پ) اور کیا یہ بھی حقیقت ہے کہ اس تبدیلی کے بعد سوات میں قتل کے جرائم میں اضافہ ہو گیا ہے؟

(ت) کیا حکومت کو آگاہی ہے۔ کہ وہاں قانون قصاص کی منسوخی سے اسلامی قوانین کی مخالفت نہیں ہو رہی ہے۔؟

(ٹ) کیا حکومت ایسے قوانین کو ضلع سوات کے عوام کی خواہش کے پیش نظر دوبارہ نافذ کرنے پر غور کرے گی۔؟

جواب : عبدالحفیظ پیرزادہ ——— چونکہ سابق ریاست سوات شمال مغربی سرحدی صوبے میں

معدوم ہو چکی ہے۔ لہٰذا معزز رکن کی جانب سے دریافت کردہ معلومات صرف متعلقہ صوبائی حکومت ہی دے سکتی ہے۔

کالج، یونیورسٹی اور اسلامیات کی لازمی تعلیم

سوال ۴۷۶ مورخہ ۲ جولائی ۱۹۷۳ء ــــــ کیا وزیر تعلیم ازراہ کرم ارشاد فرمائیں گے۔ کہ آیا حکومت اسلامیات کو کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تمام جماعتوں کے لئے بطور لازمی اور اہم مضمون کے شامل کئے جانے کے بارے میں فوری اقدام کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔؟

جواب: عبدالحفیظ پیرزادہ ــــــ اسلامیات دسویں جماعت تک لازمی مضمون کے طور پر پڑھائی جاتی ہے۔ دسویں جماعت تک اسلامیات کی جو تعلیم دی جاتی ہے۔ وہ انہیں اسلام کے مبادی سے روشناس کرنے کیلئے کافی خیال کی جاتی ہے۔ کالج کی سطح پر لازمی مضامین کی تعداد کم سے کم رہ جاتی ہوتی ہے۔ تاکہ طلباء اپنے خصوصی رجحان اور دلچسپی کے مطابق مضامین اختیار کریں۔ طلباء اگر دین کا عمیق مطالعہ جاری رکھنا چاہتے ہوں۔ تو یہ راستہ ان کے لئے کھلا ہے۔ اور وہ اسلامیات کا مطالعہ اختیار کرنے کا آزادانہ انتخاب کر سکتے ہیں۔ اسلامیات کو پہلے ہی کئی پیشہ ورانہ اداروں جیسے پولی ٹیکنک اور کمرشل ادارہ جات میں لازمی کر دیا گیا ہے۔

روٹری کلب اور لائن کلب

سوال ۴۸۹ ۔ مورخہ ۲ جولائی ۷۳، ۱۹ء ــــــ کیا وزیر داخلہ ازراہ کرم ارشاد فرمائیں گے۔ کہ؛

(الف) آیا ملک میں روٹری کلب اور لائن کلب جیسے ادارے موجود ہیں۔؟

(ب) اگر الف بالا کا جواب اثبات میں ہے۔ تو ایسے کلبوں کی تعداد کتنی ہے۔؟

(پ) ایسے کلبوں کے مقاصد، طریقہ کار اور رکنیت کی شرائط کیا ہیں۔؟

(ت) آیا یہ درست ہے کہ یہ کلب بھی فری میسن تحریک کی طرح ایسی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ جو ملک وملت کے مفادات کے خلاف ہیں۔؟

(ٹ) کیا فری میسن قسم کے ایسے کلبوں پر پابندی عائد کرنے کی کوئی تجویز ہے۔؟

جواب: خان عبدالقیوم خان ــــــ (الف) جی ہاں۔ (ب) درست تعداد معلوم نہیں۔

(پ) ان کلبوں کا مقصد سماجی خدمت بتائی جاتی ہے۔ ان کلبوں کی رکنیت کا طریق کار اور شرائط کا علم نہیں۔ (ت) ان کلبوں کی طرف سے کوئی حضرت رساں سرگرمی حکومت کے علم میں نہیں آئی۔ (ٹ) جی نہیں۔

(باقی آئندہ)

سُودی نظام کے خاتمہ کی قرارداد

ملکی پریس کی نظر میں

قومی اسمبلی نے سودی نظام کے خاتمہ سے متعلق شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کی قرارداد کو رائے شماری سے مسترد کردیا۔ اس پر ملکی پریس نے مختلف زاویوں سے روشنی ڈالی۔ یہاں ہم ملک کے چند مشہور اخبارات وجرائد کے اداریئے پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

سودی نظام معیشت کے خاتمے کے لئے جمعیت علمائے اسلام کے مولانا عبدالحق کی پیش کردہ قرارداد اسلامی جمہوریہ پاکستان کی قومی اسمبلی میں ۲۲ کے مقابلے میں ۳۲ ووٹوں سے مسترد ہوگئی۔ حیرت ناک امر یہ ہے کہ یہ قرارداد اس کے باوجود مسترد کردی گئی کہ سودی نظام کی حمایت میں کوئی ایک دلیل بھی ایوان میں پیش نہیں کی جاسکی۔ بحث میں حصہ لینے والے تمام ارکان نے تسلیم کیا کہ اسلام نے سود کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اور سودی نظام معیشت استحصال کا نظام ہے۔ سرکاری پارٹی کے ارکان نے بھی اقرار کیا کہ ان کا بھی یہ ایمان ہے کہ سود حرام ہے لیکن اس لعنت کو برقرار رکھنے کے لئے انہوں نے جو بہانہ تراشا وہ یہ کہ سوشلزم کے نفاذ کے بغیر سُود کا خاتمہ ناممکن ہے۔

ہم نہیں سمجھ سکے کہ لوٹ کھسوٹ کے اس نظام کو پاکستان کے استحصال زدہ عوام کے سر پر مزید مسلط رکھنے کے لئے ایسے نامعقول دلائل پیش کرکے کسے بیوقوف بنانے کی توقع کی جارہی ہے۔؟

اسلام نے ۱۴۰۰ برس پہلے ہی سودی کاروبار کو حرام قرار دے کر سرمایہ دارانہ نظام کی جڑ کاٹ دی تھی اور اب مغربی ماہرین معاشیات بھی جو پہلے اس نظام کے پرجوش وکیل تھے۔ اپنی سوسائٹی میں شدید مادہ پرستی، خودغرضی اور انسانی اقدار کی پامالی کی شکل میں اس کے کڑوے پھل دیکھ لینے کے بعد اس لعنت کی تباہ کاریوں کے قائل ہوگئے ہیں۔ لیکن ماتم کے لائق ہے ہمارے دانشوران سیاست کی عقل و دانش کہ [illegible]

چیز کو چوم چاٹ کر اپنے سروں پر رکھنے رہنے کے لئے مُصر ہیں۔ جسے اب خود وہ لوگ مسترد کر رہے ہیں جن کی اندھی تقلید میں ہم نے اسے اپنایا تھا۔ یہ دلیل نہایت بودی اور ناقص العقل ہونے کا ثبوت ہے کہ سود مکمل سوشلزم کے نفاذ کے بغیر جو بجائے خود ایک استحصالی نظام ہے، ختم نہیں ہو سکتا۔ اسلام نے شرکت و مضاربت کے جو اصول مقرر کئے ہیں۔ ان کے ذریعہ موجودہ نظام بنکاری کو غیر سودی سانچے میں بہ آسانی ڈھالا جا سکتا ہے۔

یہ ضرور ہے کہ اس معاشی نظام کا تفصیلی نقشہ تیار کرنے کے لئے ہمارے ماہرین معاشیات کو کچھ کام کرنا پڑے گا لیکن بہرحال اصولی طور پر اس ضرورت کو تسلیم کیا جانا چاہئے اور اس سمت میں تیز رفتاری سے اقدامات عمل میں لائے جانے چاہئیں تاکہ جلد سے جلد سود کی لعنت سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی جڑ بنیاد یہی لعنت ہے جب تک اس پر تیشہ نہیں چلایا جائے گا۔ اس استحصالی نظام کا خاتمہ ناممکن ہے۔ سودی نظام برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ سرمایہ داری کی مخالفت حقیقتاً منافقت کے سوا کچھ اور نہیں۔

قومی اسمبلی کے اس فیصلے کا سب سے افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اس سے پاکستان کے اسلامی تشخص کو شدید جھٹکا لگا ہے۔ سود، شراب، ریس، نائٹ کلبوں اور قمار بازی کے اڈوں پر پابندی کے سلسلہ میں سابقہ حکومتوں کا طرز عمل یہ رہا ہے، کہ وہ عوام کے مطالبے کو ٹھکراتے ہوئے ہچکچاتی تھیں اور کچھ وعدے وعید کر کے اپنی جان چھڑا لیتی تھیں۔ انہیں پاکستان کے اسلامی مملکت اور اپنے مسلمان ہونے کی تھوڑی بہت شرم دامنگیر رہتی تھی۔ لیکن پیپلز پارٹی کے عوامی دور میں یہ شرم بھی اٹھ گئی اور ہم پہلی بار دیکھ رہے ہیں کہ اسمبلیوں میں سود، شراب، نائٹ کلب اور قمار بازی کے اڈوں پر پابندی کی تحریکیں اور قرار دادیں بڑی ڈھٹائی کے ساتھ مسترد کی جا رہی ہیں۔ اور انتہا یہ ہے کہ اب حکومت حج کی رقم پر بھی سود کمانے کے انتظامات کر رہی ہے۔

اس صورت حال سے ان لوگوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو پیپلز پارٹی کے نعرۂ "اسلام ہمارا دین ہے" سے دھوکا کھا گئے تھے۔ اب وہ کھلی آنکھوں سے دیکھیں کہ اسلام کے ساتھ اس پارٹی کا عملی رویّہ کیا ہے اور وہ اسلام کی ان بنیادی تعلیمات کے ساتھ بھی کیا سلوک کر رہی ہے، جن پر پوری امت کا کامل اتفاق ہے اور چودہ سو سال میں کبھی متنازعہ نہیں رہیں۔ (جسارت۔ کراچی ۱۲ر جولائی ۱۹۷۳ء)

★

پاکستان میں اسلام کے ارفع و اعلیٰ اقتصادی و معیشی اصولوں کی سربلندی اور ہر قسم کے استحصال سے پاک اسلامی معاشرہ کی تشکیل کے آرزو مند حلقوں کے لئے یہ اطلاع بلاشبہ مایوسی کا موجب بنے گی کہ قومی اسمبلی نے وہ غیر سرکاری قرار داد مسترد کر دی ہے جس میں حکومت سے سفارش کی گئی تھی کہ سود پر مبنی لین دین

کا اقتصادی نظام ختم کر کے اس نظام کو اسلام سے ہم آہنگ کیا جائے۔ اس سے بھی زیادہ افسوسناک وہ روش ہے۔ جو مرکزی وزیر صحت اور قومی اسمبلی میں حکومتی پارٹی کے ڈپٹی لیڈر شیخ محمد رشید نے اس قرارداد پر بحث کے دوران اختیار کی۔

پاکستان کے ہر محب وطن شہری کی یہ خواہش و آرزو ہے۔ کہ یہاں استحصال اور لوٹ کھسوٹ سے پاک معاشرہ متشکل ہو۔ دولت کی مساوی تقسیم ہو۔ امیروں کے امیر تر اور غریبوں کے غریب تر ہونے کی لعنت ختم ہو۔ اور ہر شخص اپنی صلاحیت و قابلیت کے مطابق معاش و روزگار حاصل کر سکے ہر شخص کو اس کی محنت کا پورا ثمرہ ملے اور وہ آسودگی کے ساتھ زندگی گذار سکے۔ اس قسم کا معاشرہ اسلامی عدل و مساوات کے اعلیٰ و ارفع اصولوں کو بروئے کار لا کر ہی قائم کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومتی پارٹی نے بھی مساوات محمدی کے نعرے پر انتخابی کامیابی حاصل کی۔

ہماری موجودہ اقتصادی ناہمواری کی سب سے بڑی وجہ ہمارا مروجہ اقتصادی نظام ہے۔ اس نام نہاد سامراجی نظام کی بنیاد سود پر ہے۔ یہ سود ہی ہے جس نے اس نظام کو بدترین قسم کا استحصالی نظام بنا دیا ہے۔ ہم بعض سوشلسٹ اور ترقی پسند وزرائے کرام کے اس دعوٰی کو تو تسلیم نہیں کر سکتے کہ سوشلسٹ ملکوں میں سود نہیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو سوشلزم کو مشرف بہ اسلام کر کے اسلامی سوشلزم کا نام دینے کا تکلف شاید نہ کرنا پڑتا۔ لیکن اگر بحث کی خاطر ان کا یہ دعوٰی درست تسلیم کر لیا جائے کہ سوشلزم میں بھی سود نہیں۔ اسلام اور سوشلزم کے اقتصادی نظام میں کوئی فرق نہیں یا وہ دونوں (اسلام اور سوشلزم) کا منصوبہ یہاں نافذ کرنا چاہتے ہیں تو پھر معاف کیجئے یہ بڑی منافقانہ روش ہے کہ جب قومی اسمبلی میں سود کو ختم کرنے کا مسئلہ پیش ہو اور یہ معاملہ پیش کرنے والے نام نہاد سامراجی یا سرمایہ دارانہ نظام معیشت کی بنیاد سود کو ختم کر کے یہاں استحصال سے مبرا اسلامی نظام معیشت نافذ کرنے کی کوشش کر رہے ہوں اور اس کی مخالفت وہ لوگ کریں جو استحصال سے پاک معاشرہ کی تشکیل کے علمبردار ہوں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ یہ لوگ نہ اسلام پر یقین رکھتے ہیں اور نہ وہ اپنا مثالی سوشلزم لانا چاہتے ہیں بلکہ موجودہ استحصالی نظام کو ہی جاری رکھنا چاہتا ہے۔ جو محنت کشوں، کسانوں اور غریبوں کا خون چوسنے والے عناصر کو راتوں رات امیر بنا کر دولت کی ریل پیل سے ہمکنار کر سکتا ہے۔ (نوائے وقت۔ لاہور۔ راولپنڈی۔ یکم جولائی)

رونا تو اس بات کا ہے کہ پاکستان کے معاشرے کو ایک مثالی معاشرہ بنا دینے، اقتصادی ناہمواری کو ختم کر دینے اور استحصالی ذرائع کو ملیامیٹ کر دینے کے دعوے تو بہت کئے جاتے ہیں لیکن جب اس

مقصد کے لئے کوئی بنیادی قدم اٹھانے کا موقع آتا ہے تو راہ فرار اختیار کی جاتی ہے۔ اور نہایت سطحی اصلاحات کے ذریعے یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ بس منزل مقصود قریب آگئی۔

ایسا ہی ایک واقعہ گزشتہ ہفتہ قومی اسمبلی میں پیش آیا۔ ایک غیر سرکاری قرار داد پیش کی گئی تھی جس میں حکومت سے سفارش کی گئی تھی کہ سود پر مبنی لین دین کا نظام ختم کیا جائے۔ یہ قرار داد مسترد کر دی گئی اور حکومتی پارٹی کی جانب سے اس کی مخالفت میں دلیل یہ دی گئی کہ صرف سود ختم کرنے سے کیا ہوتا ہے، ہم تو استحصال کی دوسری شکلوں کو بھی ختم کرنا چاہتے ہیں۔ سود تو استحصال کی صرف ایک صورت ہے۔ اور اس کی ممانعت ایک ادھورا اقدام ہوگا۔

بحث کا معاملہ الگ ہے، لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ دنیا کے تمام ماہرین معاشیات سود ہی کو معاشی ناہمواریوں کی جڑ قرار دیتے ہیں۔ پھر اس جڑ کو کاٹنے سے گریز کیوں ہے۔؟ اخباری اطلاعات کے مطابق مرکزی وزیر صحت نے اس قرارداد کی مخالفت کرتے ہوئے رسول اکرمؐ کی ایک حدیث بھی نقل کی اور فرمایا اگر اس حدیث پر عمل کیا جائے تو مزدور کی محنت سے پیدا ہونے والی "قدر زائد" کا ایک حصہ بھی سرمایہ دار کی جیب میں نہ جائے۔ وزیر موصوف کا کہنا یہ تھا کہ حکومت تو ملک میں مساوات محمدی قائم کرنا چاہتی ہے، مگر حزب اختلاف اس میں رکاوٹیں ڈالتی ہے۔ ہمارے خیال میں ملک کی کوئی پارٹی اصولی طور پر اس نصب العین سے اختلاف نہیں رکھتی۔ اختلاف ہے تو اس بات پر کہ اس عادلانہ نظام کو قائم کرنے کے لئے بنیادی اقدامات کی بھی ضرورت ہے یا صرف دعوے کرتے رہنا کافی ہے۔؟ (حریت۔ کراچی۔ ۵ر جولائی ۱۹۷۳ء)

یہ خبر گو غیر متوقع تو نہیں لیکن سخت افسوسناک ضرور ہے کہ قومی اسمبلی نے اس غیر سرکاری قرار داد کو مسترد کر دیا ہے جس میں حکومت سے اقتصادی نظام کو سود سے پاک کرنے کی سفارش کی گئی تھی۔

اسمبلی میں حکمران پارٹی کی اکثریت ہے جو اسلام اور "مساوات محمدی" کے نعرے پر انتخابی معرکہ جیت کر برسر اقتدار آئی ہے جس نے قوم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ سرمایہ دارانہ استحصالی نظام کو یکسر ختم کر دے گی۔ اکثریت کی بناء پر اس وعدے کو عملی جامہ پہنانے کی راہ میں اس پارٹی کے لئے کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہے۔ اور اس پارٹی کے ٹکٹ اور منشور پر کامیاب ہونے والے ارکین اسمبلی اگر اپوزیشن کی حق وصداقت کی آواز پر لبیک کہیں اور اس قسم کے استحصالی نظام کے خاتمہ کے مطالبے پر اس کی تائید کریں تو ایسا کر کے وہ اس فرض کی ادائیگی سے ہی سبکدوش ہوں گے جو ان کے ووٹروں کیطرف سے ان پر عائد ہوتا ہے۔ لیکن افسوس کہ نہ حکمران پارٹی ہی کو اپنے وعدوں کا پاس ہے اور نہ اس کے ارکین کو ووٹروں کی طرف سے عائد ہونے والی

ذمہ داری ہی کا احساس نتیجتہً پیپلز پارٹی سابق "بدعنوان" حکمرانوں ہی کی روش پر قائم و گامزن ہے اور اس میں شامل افراد حق و صداقت کی آواز کی بجائے اپنے چیرمین کے اشارہ ابرو کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں۔

آئین سازی کے مرحلے میں بھی پیپلز پارٹی کی انگوٹھا لگانے والی اکثریت نے اپوزیشن کی تمام معقول ترامیم کو نظر انداز کر دیا تھا جس کی وجہ سے زبردست آئینی بحران پیدا ہوا۔ اگر پیپلز پارٹی کے اراکین اسوقت پارٹی لائن کی بجائے ملک و ملت کے وسیع تر مفادات پر نظر رکھتے اور اپنے شعور و بصیرت سے کام لیتے تو وہ بحران کبھی پیدا نہ ہوتا۔ اسی طرح موجودہ بجٹ سیشن میں اپوزیشن نے حکومت کی مسرفانہ عیاشیوں اور شاہ خرچیوں پر جو تند و تیز تنقید کی، سرکاری اخراجات میں مناسب کمی کا مطالبہ کیا اور کٹوتی کی کئی تحریکیں پیش کیں۔ یہ اہم مطالبات اور تحریکیں بھی اس لئے مسترد ہو گئیں کہ پیپلز پارٹی کے ارکان نے اپوزیشن کا ساتھ نہ دیا حالانکہ فضول خرچیوں سے اجتناب اور سرکاری اخراجات میں مناسب کمی ملک کے استحکام کے لئے بحالات موجودہ انتہائی ضروری ہے اور پوری قوم کا مطالبہ بھی ہے اور خود پیپلز پارٹی کے وعدہ ہائے خوش کن اور دلفریب منشور کا ایک لازمی تقاضہ بھی۔

یہی صورتحال اقتصاد و معیشت کو سود سے پاک کرنے کی قرارداد کے معاملے میں پیش آئی ہے۔ سود کے متعلق اب ساری دنیا اس بات کا اعتراف کر رہی ہے کہ استحصالی نظام کی سب سے بڑی بنیاد یہی ہے اور اس کو ختم کئے بغیر استحصال کا خاتمہ نہیں کیا جا سکتا۔ علامہ اقبالؒ نے اس مصرعہ میں سود کی انہی تباہ کاریوں کا نقشہ کھینچا ہے۔ ؎ سود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات۔ — نامکمل —

(الاعتصام لاہور۔ ۶ر جولائی ۷۳ء)

ناظم دار العلوم

احوال و کوائف

دار العلوم حقانیہ

وار دین و صادرین | دار العلوم میں ہر طبقۂ خیال اور مکتبِ فکر کے واردین و صادرین کی آمد و رفت جاری رہتی ہے۔ ۸ر جولائی ۷۳ء کو پشاور جاتے ہوئے متعدد قومی و سیاسی اور مذہبی رہنما کچھ دیر کیلئے حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ سے ملاقات اور دار العلوم کی زیارت کے لئے تشریف لائے۔ حضرت مولانا مفتی محمود کی معیت میں مولانا شاہ احمد نورانی مولانا ازہری، متحدہ محاذ کے جنرل سیکرٹری پروفیسر غفور احمد اور جناب چودھری ظہور الٰہی صاحب نے قدم رنجہ فرمایا۔ طلبہ کی خواہش پر ان حضرات نے چند منٹ کیلئے خطاب بھی فرمایا۔ مولانا نورانی نے فی البدیہہ عربی میں علمِ دین اور علماء کی فضیلت بیان کی انہوں نے کہا کہ دار العلوم کی علمی و دینی مرکزیت اور شہرت کی وجہ سے یہاں آنا میری دیرینہ خواہش تھی۔ یہاں کے طلبہ کے چہروں پر علومِ نبوت کے انوار محسوس ہو رہے ہیں۔ چودھری ظہور الٰہی صاحب نے کہا کہ قدر و منزلت کی اس محفل میں شرکت اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھتا ہوں۔ برائیوں کی وجہ سے قوم ظلم میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر موت کی نیند نہ ہو تو قومیں جاگ اٹھتی ہیں۔ مگر اب بھی اللہ کے فضل سے کچھ لوگ شمع ہدایت روشن کئے ہوئے ہیں جسکی مثال یہ دار العلوم ہے۔ جناب پروفیسر غفور احمد صاحب نے فرمایا کہ یہاں کی حاضری کو خوش قسمتی سمجھتا ہوں۔ آسمان کا سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے۔ مگر اللہ کی بندگی اطاعت اور علوم کا سورج مغرب سے طلوع ہوا۔ دار العلوم جیسی درسگاہیں پاکستان قائم رکھنے والے لوگوں اور اسلام چاہنے والوں کے ہیں۔ یہاں سے نکلنے والے روشنی کے چراغ اور پہاڑی کے نمک ہیں۔ مولانا عبد المصطفیٰ ازہری نے کہا کہ یہ ادارہ حضورؐ کے پیغام کا حامل ہے۔ علماء کے مساعی سے دستور قدرے اسلامی ہوا۔ اور ایسی ہی جد و جہد سے ملک دین و دنیا کے اعتبار سے پھولتا پھیلتا نظر آئے گا۔ انشاء اللہ۔ قائد وفد مولانا مفتی محمود صاحب نے کہا کہ میں تو ہفتہ دو ہفتہ میں ضرور آپ کے پاس آتا ہوں۔ یہاں میری حیثیت میزبان کی ہے۔ انہوں نے معزز مہمانوں کا اپنے اور حضرت شیخ الحدیث کی طرف سے یہاں آمد پر شکریہ ادا کیا۔ اور کہا کہ ہماری جد و جہد ہے کہ جو علوم قرآن و حدیث آپ یہاں حاصل کر رہے ہیں اسے ملک میں جاری کر سکیں اور دین کا نظام قائم ہو۔ معزز مہمانوں نے دار العلوم کے تمام شعبوں کا معائنہ بھی کیا اور کتاب الآراء میں تاثرات قلمبند کئے۔

سمیع الحق

تعارف کتب

امام ابو حنیفہ اور ان کے ناقدین | مولانا حبیب الرحمن شروانی مرحوم - صفحات ۱۸۲ - قیمت مجلد ۱۶/ روپے ناشر: نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی - امام ابو حنیفہ کے ناقدین میں خطیب بغدادی صاحب کی تاریخ بغدادی کا بڑا شہرہ ہے۔ لیکن اسی مؤرخ جلیل نے اپنی کتاب میں تقریباً ایک سو صفحات امام اعظم کی جامع الصفات شخصیت کا تذکرہ مرتب کیا۔ ناقدین امام پر جرح تحقیقی نظر نیز امام ابو یوسف امام محمد کے حالات زندگی امام اعظم کی معرکۃ الآراء وصیت۔ تاریخ بغدادی کا تعارف نہایت متین اور سنجیدہ انداز میں علمی ذوق کی تکمیل کی خاطر تاریخ خطیب کے متعلقہ حصوں کا اصل متن بھی شریک کتاب ہے۔ اور پیش لفظ کے طور پر علامہ سلیمان ندوی رح کا موقف کتاب پر تعارفی مضمون کتاب کی وقعت کو مزید بڑھا دیتا ہے۔ اہل علم کیلئے خاصی افادیت کی کتاب ہے۔

قاضی احسان احمد شجاع آبادی | برصغیر پاک و ہند کی دینی اور سیاسی تاریخ کی ایک مایۂ ناز شخصیت خطیب بے بدل قاضی احسان احمد شجاع آبادی مرحوم کا نہایت دلآویز معلومات آفریں دلآویز تذکرہ، قید و بند کی صعوبتیں کانگریس احرار مسلم لیگ اور قاضی صاحب، قادیانیت کا تعاقب ذاتی احوال و سوانح غرض ان کی باغ و بہار زندگی کے مختلف زاویوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ خطابت کے جو معرکے آپ نے سر فرمائے ان کے بھی کئی نمونے شامل کتاب ہیں، مصنف کتاب مولانا نور الحق قریشی ایل ایل بی ملتان جو صاحب سوانح کے قریبی عزیز ہیں نے برصغیر کی سیاسی اور دینی تاریخ تشکیل دینے والے علماء حق کے ایک اہم فرد کا تذکرہ اتنی محنت سے مرتب فرما کر علمی حلقوں کی نمایاں خدمت انجام دی - کتاب کی طباعت نہایت عمدہ، قیمت ۱۶/ روپے مکتبہ احسان نزد چہلیک ملتان سے طلب فرمادیں۔

ہندوستان میں وہابی تحریک | سید احمد شہید اور ان کی قدسی جماعت جماعت مجاہدین کے حالات اور تحریک پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ پیش نظر کتاب ڈاکٹر قیام الدین ایم اے پی ایچ ڈی کی گرانقدر بے مثال انگریزی تصنیف کا اردو ترجمہ ہے۔ جو پروفیسر محمد مسلم ایم اے نے کیا اور ان کا نام ترجمہ کی خوبی اور

سلاست کا ضامن ہے۔ مصنف نے کتاب کے لئے سید صاحب کے بارہ میں مطبوعہ مواد پر اکتفا نہیں کیا بلکہ عام نظروں سے پوشیدہ مخطوطات اور دیگر کاغذات انگریزی دور کے سنٹرل ریکارڈز آفسوں کی دستاویزات خفیہ محکمہ جات کے مجموعے مجسٹریٹوں کے حکمنامے بہت سی چیزیں چھان چھان کر اپنی کتاب مرتب کی۔ اس تحریک اور کتاب کے سرسری تعارف کیلئے بھی ایک وقت چاہئے ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اس لحاظ سے اپنے موضوع پر مکمل تدوین کتاب ہے۔ ہر چند کہ سید شہید اور ان کی جماعت کا نجدی وہابی تحریک سے دور کا بھی واسطہ نہیں مگر انگریز نے اپنی شاطرانہ پالیسیوں، مسلمانان ہند کو فریب دینے کیلئے اس نام کو اتنا اچھالا کہ اکثر سرکاری پورٹول میں یہ تحریک اس نام سے یاد کی گئی۔ مصنف نے اس شہرت کا ذریعہ کی وجہ سے یہ نام اختیار کیا۔ اور وہابی تحریک کیساتھ تحریک مجاہدین کے فرق کو فاضل مترجم نے واضح بھی کیا ہے۔ نفیس اکیڈمی سٹریچن روڈ کراچی ایسی وقیع نادر اور مفید تصانیف کی اشاعت میں امتیازی شان رکھتی ہے۔ اب یہ شان اس کتاب کے ذریعہ اور نکھر گئی ہے۔ صفحات ۴۰۰، قیمت ۱۸/ روپے مجلد کتابت میں معمولی اغلاط پائی جاتی ہیں جس کا ازالہ دوسرے ایڈیشن میں ضروری ہے۔ ہم نفیس اکیڈمی کو تہ دل سے اس خدمت پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔